عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی !!

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ غزالی

ربیع الاول ۱۴۳۱ھ/ مارچ ۲۰۱۰ء

RegNo.P476

جلد: ہشتم

شمارہ: 7

فہرست

فی شمارہ: -/15 روپے

سالانہ بدل اشتراک: -/180 روپے

ملنے کا پتہ: پوسٹ آفس بکس نمبر 1015، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

ای۔میل: physiologist72@yahoo.com

mahanama_ghazali@yahoo.com <<<

saqipak99@gmail.com

ویب سائٹ: www.iaa.org.pk

ذِکرالٰھی (گیارویں قسط)

(حضرت مولانا اشرف صاحب سلیمانیؒ)

ذکر سری:

حقیقتِ ذکر کے ضمن میں یہ بات گذر چکی ہے کہ قلبی یاد ہی حقیقتاً ذکر ہے پس 'ذکر' کا اصل مدعا اسی 'قلبی یاد' کی دائماً یافت ہے کہ دل ذکر سے اتنا ''زندہ و بیدار'' [1] ہوجائے کہ 'یادالٰہی اور استحضار ربانی کا ذکر اپنے دل میں ہر آن و ہر حال میں عیاناً و حالاً ادراک کرسکے 'یادِ قلبی' دل کا ملکۂ راسخہ، مزاج اور فطرتِ ثانیہ بن کر 'حقیقتِ ثابتہ' کی صورت میں حاسۂ قلبی (یا جذر قلب) میں پیوست و مرتسم ہوجائے اور ''ذکرِ حق'' کی یہ یافت قلبِ ذاکر کا شغلِ دائم بن جائے جو اسے ہر وقت ذاتِ حق میں مشغول اور اس کے دھیان سے خرم و مسرور رکھے۔

اسی ملکہ یاداشت کے حصول کیلئے مختلف سلاسلِ سلوک نے مختلف طرقِ اذکار اختیار کئے ہیں مقصود سب کا ایک ہی ہے کہ ذکرِ حقیقی کا دوام و استمرار شریعت مطہرہ کے ظاہری و باطنی اتباع کے ساتھ میسر آجائے۔

؎ عبار اتنا شتیٰ و حسنک واحدُ
و کل الی ذاک الجمال یشیر

ان ہی طرقِ اذکار میں ایک 'ذکرِ سرّی' بھی ہے کہ ذاکر اپنے جملہ حواس ظاہری و باطنی کو مجتمع کر کے 'قلب' کی طرف پوری بیداری سے متوجہ ہوکر یوں تصور کرتا ہے کہ دل سے اللہ اللہ کی آواز نکل رہی ہے زبان میں حرکت نہیں ہوتی اور دل سے یہ آواز مسموع سمجھ کر کان گوش بر آواز رہتے ہیں اس ذکر میں

---

[1] 'قلب ذاکر' ہی دل زندہ ہے۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

مثل الذی یذکر ربہ والذی لا یذکر ربہ مثل الحی و ا لمیت (مشکوۃ ص ۱۹۷ بحوالہ)۔ اس شخص کی مثال جو اپنے پروردگار کو یاد کرتا ہے اور جو نہیں یاد کرتا زندہ مردہ جیسی ہے یاد کرنے والا زندہ اور نہ کرنے والا مردہ ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا

؎ مجھے یہ غم ہے دل زندہ تو نہ مر جائے
کہ زندگی تو عبارت ہے تیرے جینے سے

تعداد کی بجائے اوقات کا اعتبار ہوتا ہے۔ایک معتد بہ وقت کی مشق و ممارست سے باطنِ قلب میں اللہ کا لفظ مرتکز ہو کر ''لطیفہ قلبی'' کی زندگی اور اس میں ذکر کے احیاء کا سبب بن جاتا ہے۔اور سمع اسی آواز کو قلب سے سنتا ہے۔''تصور جاناں'' اور ''سماعتِ نام محبوب'' کی یہ مشق در جاناں تک رسائی کا محض ایک ذریعہ ہے جس سے حواس پر ''تصور جانان'' کو مستولی کیا جاتا ہے اور دیگر خیالات سے بچا کر مذکور پر دل و دماغ کو مرکوز کر دیا جاتا ہے۔جب حواس غیر حق کے احساس اور دھیان و خیال سے فارغ ہو جاتے ہیں تو مستور ازل کا چہرہ بافتاب، تجلیات و انوار کے حجابات میں بھی سالک کیلئے نورِ دیدہ و دل بن جاتا ہے عارفِ رومی کا شعر ہے

؎ لب ببند و چشم بند و گوش بند گر نہ بینی روئے حق بر من بخند

ترجمہ: ہونٹ بند کرو، آنکھیں بند کرو، کان بند کرو (یعنی ان اعضاء کو گناہ سے روکو) پھر بھی اگر اللہ تعالیٰ کا دیدار نہ ہو تو مجھ پر ہنسو۔

بہرحال یہ تصوراتی مشقِ یادِ محبوب اور دھیانِ حبیب بھی زینہ قرب ربانی ہے جو سالک کے مراتب و حسنِ باطنی کو بڑھاتا ہے یہ شعر

؎ یزیدک و جهٔ حسناً اذا ما زدته نظرا

ترجمہ: جتنا زیادہ دیکھتا ہوں اُتنا ہی تیرا حسن بڑھتا جاتا ہے۔

مجاز میں مبالغہ ہو تو ہو، لیکن حقیقت میں عین حقیقت ہے عرب شاعر نے سچ کہا ہے۔

؎ اری اثر امنه بعینک بیناً لقد اخذت عینک من عینه حسنا

ترجمہ: میں نے تمہاری آنکھوں میں واضح طور پر اُس کا اثر دیکھا، یقیناً تمہاری آنکھوں نے یہ حسن اُس کی آنکھوں سے لیا۔

سالک کی کیفیت کا نقشہ اس بارے میں کسی عارف نے خوب کھینچا ہے۔

؎ جمالت آفتابِ ہر نظر باد زخوبی روئے خوبت خوب تر باد

مرا از تست ہر دم تازہ عشقے ترا ہر ساعتی حسنِ دگر باد

ترجمہ: تیرا حسن ہر نگاہ کے لئے سورج ہو، تیرا خوبصورت چہرہ حسن سے اور خوبصورت ہو۔ مجھے

ہر گھڑی تجھ سے تازہ محبت ہوتی ہے، ہر گھڑی تجھے بھی نیا حسن ملے۔

غرض تصور کے ذریعہ ذکر حقیقی کی یافت 'ذکر سری' کا مقصد و منشاء ہے۔ 'ذکر سری' خصوصاً خانوادۂ نقشبندیہ میں معمول بہ ہے۔ ہمارے حضرت والا قدس سرہٗ چاروں سلسلوں میں مجاز تھے۔اس لئے طالب کی مناسب و مصلحت کے مطابق جس سلسلہ کے ذکر میں کشائش کار دکھائی دیتی تھی، وہی تلقین فرماتے تھے کہ اصل مقصود ''حقیقت ذکر'' کی یافت ہے نہ طرقِ حصول ذکر۔

حضرت والاؒ کے ایک مسترشد خاص جسمانی کمزوری کی بنا پر ذکر جہری کا تحمل نہ فرما سکتے تھے انہوں نے اپنے اس ضعف کا تذکرہ حضرت الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ سے کرتے ہوئے لکھا۔اس لئے باوجود شوق و ذوق کے ذکر و شغل کی زیادہ تاب بھی نہیں پاتا اور حضرت والا سے خاطر خواہ استفادہ سے محروم ہوں......''

حکیم و محقق شیخؒ شفیق نے جواب باصواب عنایت فرمایا:'' جسمانی صلاحیت کے مطابق ہی کام کیجئے یاد ہوگا کہ (ذکر کی) تعداد بڑھانے میں میں نے سہولت کی قید لگائی تھی۔ایک مرتبہ بہت زیادہ بڑھا لینے کا مشورہ نہیں دیا تھا اب بھی یہی مشورہ ہے۔اگر ذکر جہری [۱] سے مشقت ہوتی ہے تو سری کیجئے جو نقشبندیہ طریقہ میں رائج ہے یعنی یہ کہ زبان بالکل بند تالو سے لگی ہوئی اور تصور کیجئے کہ قلب سے اللہ اللہ کی آواز نکل رہی ہے اس میں تعداد کی قید نہیں۔وقت کا معیار ہے یعنی پندرہ منٹ، بیس منٹ، آدھ گھنٹہ، ایک گھنٹہ جیسی فرصت ہو''۔(تذکرہ سلیمانؒ ص ۵۳۷، ص ۵۳۸)

سالک مذکور نے ایک خط میں تحریر کیا '' بحمداللہ معمولات پر پابندی ہے۔ذکر سری کر رہا ہوں۔ قیامِ توجہ کے لئے تسبیح بھی رکھ لیتا ہوں اس میں حرج تو نہیں''۔

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے ارقام فرمایا: '' **الحمدللہ بارک اللہ**'' ذکر سری میں زبان کو حرکت نہیں ہوتی ،صرف قلب ہے تصور میں ذکر ہوتا ہے اس لئے اس کیلئے قلب کی توجہ اور بیداری کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے۔تسبیح سے اس توجہ میں کمی آجاتی ہے کیونکہ توجہ تسبیح کے دانوں اور مقدار پر ہو جاتی ہے مگر آپ کو اگر اسی میں آسانی ہے تو کیجئے، مقصود ذکر سے ہے۔۔۔۔۔(ذکر میں) مقصود کمیت نہیں

---

[۱] جہری سے یہاں مراد جہر غیر مفرط ہے۔یعنی جو زیادہ زور سے نہ ہو۔

کیفیت ہے ’’(تذکرہ سلیمان ص ۵۵۰،ص ۵۵۱)۔

ایک دوسرے مکتوب میں ان ہی کے ایک استفسار کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: ’’ذکرِ جہری اورسری دونوں مشروع ہیں اب جس کو جس سے مناسبت ہو، جہری کے معنٰی یہ ہیں کہ جس کی آواز اپنے کانوں کو سنائی دے، جس کو قرآن پاک میں دُوْنَ الْجَھْرِ مِنَ الْقَوْلِ ، کہا گیا ہے۔اس کی تفسیر میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ جہراً اور حضرت ابوبکرؓ سراً تہجد پڑھتے تھے تو حضرت عمرؓ کو فرمایا گیا کہ ذرا آہستہ پڑھو اور حضرت ابوبکرؓ کو کہا گیا ذرا زور سے پڑھو ‘‘۔(تذکرہ ص ۵۸۲)

جیسا کہ معلوم ہوا، ذکر سری کا مدار قوتِ تصور کے استعمال واستمرار پر ہے اور اسی کے ذریعہ یکسوئی اور حقیقتِ ذکر تک رفتہ رفتہ رسائی حاصل کی جاتی ہے ’تصور‘ کی ان کارفرمائیوں ، اور ان سے حواس کی یکجائی، یادِ حق کے حصول کی کوشش اور ’’دھیان ربانی‘‘ کی مشق کا تذکرہ حضرت سیدی الامام قدس سرہ نے اپنے اشعار میں بھی فرمایا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

دیکر تجھے حواس! فریبِ نوید دید	اجزائے منتشر کو بہم کر رہا ہوں میں
سجدہ میں رکھ کے سر ترے پائے خیال میں	تعمیر اک بہشت ارم کر رہا ہوں میں
سر ہے زمین پر تو تصور ہے عرش پر	تعمیر اک اور حرم کر رہا ہوں میں

بات یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے انسان کو مختلف قوائے ظاہری وباطنی اور طرح طرح کی استعدادیں مرحمت فرمائیں ہیں اور جس طرح خلقتِ بشری اس ابتلا کی گھاٹی (یعنی عالمِ ناسوت) میں نری عبدیت اور فرائض عبودیت کی بجا آوری کے لئے ہوئی ہے اسی طرح جملہ انسانی ظاہری وباطنی وجسمانی وروحانی استعدادیں وقویٰ اسی ’’بندگی کے کمال‘‘ کے حصول کے لئے عطا فرمائے گئے ہیں کہ بندہ اس عالم میں جس کام کیلئے آیا ہے یعنی بندگی وسرافگندی، اطاعت ومعرفت اس کے حاصل کرنے کیلئے اپنی پوری مایہ یعنی ظاہری وجسمانی استعداد باطنی وروحانی جواہر کو لگادے۔قوت متخیلہ وتصور کی طاقت بھی خزائنِ الٰہیہ میں سے بندے کو اس لئے ہی دی گئی ہے کہ اس کا استعمال بھی اسی ’’مقصد عالی‘‘ کے حصول کیلئے کیا جائے اور اس کا جزوکل رضائے الٰہی، معرفتِ حق، فرائضِ عبدیت کی ادائیگی کے لئے صرف ہو، ’صوفیہ صافیہ، جنہیں اللہ تعالیٰ نے بصیرتِ باطنی سے نوازا ہوتا ہے اور جو اپنی موت وحیات، ظاہر وباطن غرض اپنی جملہ

کائنات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے ان گھاٹیوں سے گزر چکے ہوتے ہیں ہر استعداد کا صحیح محلِ استعمال بفضلہٖ وعونہٖ تعالیٰ ان کی فراست ایمانی پر کھول دیا جاتا ہے وہ ' تصور ' کے اس خزینۂ قوت کو بھی معرفتِ حق، یادِ الٰہی اور استحضار و حضورِ ربانی کا ذریعہ بنا دیتے ہیں اور جس طرح علمائے نفسیات، نفسیاتی علاج، (Psychological treatment) سے نفسیاتی اور بعض جسمانی بیماریوں کا علاج کرتے ہیں۔'' حکمائے باطنی '' قلبی اور روحانی امراض کا علاج اسی نفسیاتی و تصوراتی طریقہ علاج سے کرتے ہیں لیکن دونوں میں فرق کے سمجھنے کیلئے 'حکمتِ ایمانی' کا جاننا ضروری ہے جو محقق اہل ایمان کی صحبت ہی سے میسر آتی ہے مولانا فرماتے ہیں:

؎ چند خواندی حکمت یونانیاں　　　حکمت ایمانیاں را ہم بخواں

ترجمہ: یونانیوں کی حکمت تو تم نے پڑھ لی، ایمان والوں کی حکمت بھی تو پڑھو۔

صوفیہ کے اس طریقہ علاج کے متعلق حضرت الشیخ قدس روحہ اپنے ایک مرید با اختصاص کو ارقام فرماتے ہیں: '' یہ شبہ (کہ ذکر و فکر میں تجلیات و کیفیات کا ورود سب تصوری و ذہنی معلوم ہوتا ہے ۱۔۴) بالکل صحیح ہے اسی لئے یہ انوار و تجلیات جن کو عام طور پر انوار و تجلیات کا نام دیا جاتا ہے وہ نفسانی افکار ہیں اور ان کی مثال ایسی ہے جیسے اسی عمل نفسیاتی کے ذریعہ بعض علمائے نفسیات بیماری کا ازالہ اور صحت کا حصول کرتے ہیں اور اسی نفسیاتی اصول سے صوفیہ امراضِ باطنی کا علاج کرتے ہیں اور حق تعالیٰ سے رابطہ پیدا کرتے ہیں اب جس طرح پہلے یہ طے کیا جا چکا ہے کہ صحت اچھی چیز ہے اور بیماری بری چیز ہے اور بیماری کو دور اور صحت کا حصول اس تدبیر نفسیاتی سے کیا جاتا ہے اور اس میں کامیابی ہوتی ہے اسی سے مشاہدہ اور استحضارِ ربانی کی کیفیت جس کے حصول کا مطلوب ہونا الگ دلیل سے ثابت ہے اس کے حصول کیلئے یہ نفسیاتی طریق کار اختیار کیا جاتا ہے اور اس میں کامیابی ہوتی ہے اس طریق میں ۲؎ عموماً جو مشاہدات ہوتے ہیں وہ ذہنی افکار ہوتے ہیں جیسا کہ امامِ نقشبند (خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرہ) کا یہ فقرہ اس پر دلالت کرتا ہے۔'' آنچہ دیدہ شود و دانستہ شود ہمہ غیر خدا است '' (جو بھی دیکھا جا سکے اور سمجھا جا سکے وہ سب غیرِ خدا ہے)۔

بحمد اللہ کہ یہ حقیقت آپ پر ظاہر ہوگئی۔ غرض اصلاً یہ مشاہدات و تصورات مطلوب نہیں۔ یہ تو بطور تدبیر ہیں اصل ان کے نتائج ہیں ''۔ مقصود مقصد تک رسائی ہے جس کیلئے ہر جائز ذریعہ کا استعمال ہے ذکر سری میں بھی یہی صورت ہے اور مشاہدہ اس کے خاطر خواہ نتائج پر شاہد ہے۔

۱؎، ۲؎ عام طور اور عموماً کے الفاظ قابل توجہ ہیں۔

(جاری ہے)

بیان (۱۹۹۹۔۰۵۔۰۱)

(ڈاکٹر فدا محمد دامت برکاتہٗ)

خطبہٗ ماثورہ:

ہر چیز پورا فائدہ تب دیتی ہے جب وہ بن جائے۔اور اگر بنے نہیں تو فائدہ اُس کا حاصل نہیں ہوتا ہے۔ بننا درجہ بہ درجہ ہوتا رہتا ہے، ایک دن میں سب چیز حاصل نہیں ہو جاتی۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دعا جو رحمۃ اللہ علیہ جو ہمارے حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانیؒ کے شیخ تھے، اُن سے ایک آدمی نے کہا کہ میں آتا جاتا رہتا ہوں، ذکر اذکار سیکھ رہا ہوں لیکن کوئی فائدہ ہوتا ہوا نظر نہیں آرہا۔شاہ صاحبؒ نے اُس سے فرمایا کہ آپ ماں کے پیٹ سے اتنے ہی پیدا ہوئے تھے جتنے اب ہیں؟ اُس نے کہا نہیں چھوٹا تھا۔ پھر فرمایا کہ آپ اتنے بڑے ہو گئے تو بڑے ہونے کا پتہ آپ کو چلتا رہا، محسوس ہوتا رہا؟ اُس نے کہا نہیں یہ تو پتہ نہیں چلتا رہا۔شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ایسے ہی اگر آدمی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے سلسلے سے وابستہ ہو کر محنت کوشش شروع کر دے تو ترقی ہوتی رہتی ہے، لیکن ضروری نہیں کہ آدمی کو پتہ بھی چل رہا ہو۔اب کوئی آدمی کسی کو آج دیکھ لے اور پھر دس سال بعد دیکھ لے تو پورا فرق محسوس کر سکتا ہے لیکن جو روز روز اُس کو دیکھ رہا ہو تو نہ دیکھنے والے کو فرق محسوس ہوتا ہے اور نہ جس میں فرق آرہا ہو اُس کو محسوس ہوتا ہے، لیکن آدمی بتدریج آہستہ آہستہ ارتقاء کر رہا ہوتا ہے، بڑھ رہا ہوتا ہے اور اُس کی نشو نما ہو رہی ہوتی ہے۔ ایسے ہی روحانیت کا بھی حال ہے۔تو شاہ صاحبؒ نے بھی اس بات کی آگاہی کے لئے فرمایا کہ اس کا آپ کو پتہ نہیں چلے گا۔

ایک پروفیسر صاحب تھے اُن کا رشتہ دار بیمار ہو گیا، وہ اس کو لے کر ہسپتال گئے۔اُس کو دکھایا ایک جگہ دوسری جگہ، کیچولٹی، ایکسرے، یہاں لے جاؤ، وہاں لے جاؤ، خوب دوڑ دھوپ کی۔ایک جگہ کھڑے تھے تو ڈاکٹروں نے کہا مریض کو چھوڑیں اور بیٹھ جائیں، اپنی فکر کریں۔ پروفیسر صاحب کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ یہ ڈاکٹر کیا کہہ رہا ہے۔ یہاں تک کہ چکرائے اور گرے، فالج کا حملہ ہوا اور جب شفا ہوئی بھی تو ہوش وحواس ختم تھے اور پاگل تھے۔تو پروفیسر صاحب دوسرے کی فکر کر رہے تھے اور اپنا پتہ نہیں چل رہا تھا، مگر ماہر کی نگاہ نے دیکھ لیا کہ اُس سے زیادہ بیمار تو یہ ہے اور اُس کی بات ماننے میں جو تھوڑا سا پس و پیش کیا گیا اُس میں آدمی گر گیا۔تو یہ خود کو پتہ نہیں چلا کرتا کہ بن رہا ہے یا بگڑ رہا ہے۔اس لئے سلاسل کی تربیت میں یہ بات ہے کہ

وابستگی اختیار کر کے اپنے بارے میں پوچھتے رہنا ضروری ہوتا ہے، اپنی نگرانی کرانی ضروری ہوتی ہے اور اپنے آپ کو ماہرین کے سامنے رکھنا ہوتا ہے تا کہ جو زوال، گراوٹ آرہی ہو اُس پر آگاہی ہوتی رہے تب آدمی حفاظت میں ہوتا ہے۔ یہ بننا بھی آہستہ آہستہ ہوتا ہے اور اس میں بھی بننے اور بگڑنے کا پتہ ماہرین کو چلے گا اپنے آپ کو نہیں چلے گا۔ اس لئے جو حضرات سلوک واحسان کو یوں سمجھتے ہیں کہ تبدیلیاں ہمیں نظر آجایا کریں، ہمیں محسوس ہو جایا کریں وہ بڑے پریشان ہوتے ہیں کیونکہ وہ اصلاح اور بننا ایک خاص چیز کو سمجھتے ہیں اور وہ حاصل نہ ہو رہی ہو، نظر نہ آرہی ہو تو بڑے پریشان ہوتے ہیں کہ رونا تو آیا ہی نہیں ہے، ذکر میں مزہ تو آیا ہی نہیں ہے، عبادت میں مٹھاس تو محسوس ہوئی ہی نہیں ہے، لہٰذا سمجھتے ہیں کہ ہم تو بن ہی نہیں رہے ہیں۔ ہمارے ایک ساتھی ہیں وہ کبھی چار مہینے لگاتے ہیں، کبھی سال لگاتے ہیں، کبھی کہاں جا کر بیعت ہوتے ہیں، کبھی کہاں جا کر اور پھر پھرا کر میرے پاس آیا کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ فلاں جگہ بیعت ہوا تھوڑا سا کام کیا پھر ترقی بند ہو گئی۔ اُنہوں نے میرے سامنے کوئی چھ سات جگہیں تبدیل کی ہیں۔ اُن سے جب میں نے پوچھ گچھ کی تو پتہ چلا کہ وہ چند کیفیات کو ترقی سمجھ رہے تھے جو کہ ہمیشہ ہوتی ہی نہیں ہیں۔ بقا تو عقل اور ارادے کو ہے، باقی ساری چیزیں آتی جاتی رہتی ہیں۔

جب اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہو کر کوئی محنت شروع کر دیتا ہے اور اس کی ترقی شروع ہو جاتی تو شیطان اُس کے پیچھے لگ جاتا ہے اور طرح طرح کے وسوسے ڈال کر آدمی کو پریشان کرتا ہے۔ ایسے وسوسے آتے ہیں کہ آدمی کسی اور سے کہہ بھی نہیں سکتا، دل میں چھپائے ہوتا ہے اور پریشان ہو رہا ہوتا ہے خاص کر نوعمروں کو بہت پریشانی ہوتی ہے۔ ایک جگہ میں بیان کرنے کے لئے گیا تو ایک طالب علم نے کہا کہ میں آپ سے بالکل تنہائی میں بات کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے اُس کو جانچا کہ اگر اس نے تنہائی میں مجھ پر حملہ کر دیا تو انشاء اللہ مقابلہ کر سکوں گا۔ میں نے اس کو تنہائی میں بات کرنے کا موقع دیا۔ اس معاملے میں احتیاط کرنی چاہئے۔ ایک دفعہ کوئٹہ میں ایک آدمی نے ایک اہلِ حدیث لیڈر جمیل الرحمٰن سے کہا کہ میں تنہائی میں ملنا چاہتا ہوں اور اندر جا کر اُس پر فائر کر دیا اور باہر نکلتے ہوئے ایک اور آدمی کو اندر کر دیا اور لوگوں سے کہا کہ اس آدمی نے تمہارے لیڈر کو قتل کر دیا ہے اور چلا گیا۔ اس لئے سلاسل میں بھی بہت بیدار رہنا ہوتا ہے۔ ہمارے حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانیؒ کمزور تھے، بہت زیادہ بیماریاں تھیں اور پاؤں سے بھی معذور تھے،

جب اُن سے کوئی تنہائی میں ملنا چاہتا تو ہم اُس کو اندر کر کے باہر ایک مضبوط آدمی کو دروازے پر بٹھا دیتے تھے۔ان ساری باتوں کا خیال رکھنا ہوتا ہے۔ خیر جی اُس طالب علم سے میں تنہائی میں ملا تو اُس نے بہت راز داری سے مجھے کہا کہ آج کل میں کافر ہو گیا ہوں۔ میں نے پوچھا یہ خیال آپ کو کیوں آیا؟ تو کہنے لگا کہ کہ میرے دل میں ایسے وسوسے آتے ہیں، ایسے خیالات آتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ (نعوذ باللہ) نہیں ہے، آخرت نہیں ہے، یہ ہے، وہ ہے۔اُسی وقت اُس نے ہمارے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی تھی۔ میں نے اُس سے کہا کہ مغرب کی نماز آپ نے ہمارے ساتھ پڑھی ہے نا؟ اُس نے کہا ہاں پڑھی ہے۔تو میں نے اُس سے کہا کہ اسی نیت اور ارادے کو اسلام کہتے ہیں، اسی کو یقین، اسی کو ایمان کہتے ہیں بس آپ کو کسی اور بات کی ضرورت نہیں ہے۔**اقرارٌ بالسان و تصدیقٌ بالقلب**، زبان سے آدمی نے اقرار کر لیا اور دل سے اُس پر جم گیا، نیت اُس نے کر لی ہے۔ دل سے جمنا ہے اور نیت کرنی ہے۔ اس لئے صوفیا کہتے ہیں کہ محبتِ الٰہی جو ہے اُس میں محبتِ عقلی تو فرض واجب ہے اور محبتِ طبعی فرض واجب نہیں ہے۔محبتِ عقلی یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کو دنیا کے مفاد اور مزے پر ترجیح دے رہے ہیں۔ مفاد، مزے کو چھوڑ کر حکم کو لے رہے ہیں یہ محبتِ عقلی ہے کہ جب دنیا کے مفاد کا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کا ٹکراؤ آئے تو آپ اللہ کے غیر کو ترک کر کے اللہ کا حکم لے لیں تو گویا آپ کی عقل اللہ تعالیٰ کی محبت سے معمور ہے، بھری ہوئی ہے، خواہ اللہ کا نام سن کر آپ کو رونا آئے نہ آئے، آپ چیخ ماریں نہ ماریں، آپ کے بدن کا بال بال اُس کے ساتھ حرکت کرے نہ کرے، آپ کو محبتِ الٰہی حاصل ہے۔اسی چیز کو شریعت نے فرض کیا کیونکہ یہ بات آپ اپنے اختیار سے کر سکتے ہیں۔ **لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا** اللہ تعالیٰ کسی جی کو اُس کے بس سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا ہے۔ باقی یہ بات کہ وہ تعلق آپ کو محسوس ہو، آپ کو مزہ آئے، آپ کو لطف آئے، آپ کو رونا آئے، آپ کے دل میں محبت کی لہریں آئیں، آپ کو کشش ہو، یہ بات کبھی ہوگی کبھی نہیں ہوگی۔لہٰذا اس کو اللہ تعالیٰ نے فرض بھی نہیں کیا ہے۔ تو یہ جو ہمارے ساتھی تھے اُن کو میں نے یہ بات سمجھانے کی کوشش کی مگر میں اُن کو سمجھا نہیں سکا۔بس وہ یہی کہتے کہ میں بند ہو گیا ہوں، میری ترقی رک گئی ہے۔ خیر تو میں آپ سے عرض کر رہا تھا کہ آپ یہ فیصلہ خود نہ کریں کہ ترقی ہو رہی ہے یا نہیں ہو رہی ہے۔ یہ فیصلہ اُس کے ذمہ ہوتا ہے جس کی تربیت میں آدمی ہوتا ہے، یہ بات وہی بتائے کہ آپ کی تربیت ہوئی ہے یا نہیں ہوئی ہے، آدمی بنا ہے یا نہیں بنا ہے۔

ہمارے حضرت مولانا صاحبؒ حیات تھے۔ایک سلسلہ چل رہا تھا جس کے چلانے والے نے یہ اعلان کیا تھا کہ مجھے فلاں قبر سے فیض ہو گیا اور میں وہاں سے کامل ہو گیا اور اُس نے سلسلہ چلا دیا۔اس کو اویسی فیض کہتے ہیں کہ آدمی کو ملے بغیر دور سے ہی فیض ہو جائے کسی سے۔اویسی اس کو اس لئے کہتے ہیں کہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ حضورﷺ کی زیارت کر کے صحابی تو نہ بن سکے، تابعی بنے اور اُن کے بارے میں فرمایا گیا کہ سب تابعین کے سردار ہیں، بہت اُونچا اللہ کا تعلق ہے۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ سے حضورﷺ نے فرمایا کہ اویس قرنی سے جب ملاقات ہو تو اُن سے میری اُمت کی مغفرت کے لئے دعا کروانا اور اُن کے لئے کپڑے بھی عطا فرمائے تھے۔عمر فاروقؓ کی پھر اُن سے ملاقات بھی ہوئی۔تو اُن کو شدت کی محبت تھی حضورﷺ کی۔اور شدت کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی کا۔اور گہری وابستگی دین وسنت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے نصیب فرمائی بغیر ملے۔اس کو اویسی فیض کہتے ہیں۔ایک دن میں فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کی ورق گردانی کر رہا تھا کیونکہ میں کتاب کے بغیر فارغ نہیں بیٹھ سکتا۔ہر ایک آدمی کی اپنی اپنی عادت ہوتی ہے، سگریٹی آدمی سگریٹ کے بغیر نہیں رہ سکتا ہر وقت منہ میں سگریٹ پکڑے کش لگا رہا ہوتا ہے۔بعض لوگ موسیقی کے عادی ہوتے ہیں کہتے ہیں اس کے بغیر ہم رہ ہی نہیں سکتے ہیں۔تو اللہ کی شان کہ مجھے شروع سے کتابیں پڑھنے کی عادت پڑی ہوئی ہے۔اور یہ عادت اس طرح پڑی کہ میں آٹھویں کا امتحان دے کر فارغ ہوا۔ہمارے بڑے بھائی بہت سمجھدار آدمی تھے، سکول میں اُستاد تھے، اُن کو یہ فکر ہوئی کہ لڑکا بالغ ہو گیا ہے اور فارغ بھی ہو گیا ہے اور فارغ دماغ شیطان کا آلۂ کار بنتا ہے۔بھائی صاحب نے مجھ سے کہا کہ اگر تو والد صاحب کے کتب خانے کی کتابوں کی جلد بندی کر دے تو تمہیں اتنے پیسے دیں گے۔اُس زمانے میں ایک جلد کوئی دو آنے میں ہوتی تھی اور ایک روپے میں آٹھ جلدیں ہوتی تھیں۔اُنہوں مجھے جلد بندی کا پورا طریقہ سکھایا، مشین میں دبانا، کاٹنا اور جلد چڑھانا وغیرہ اور میں لگ گیا۔میں جس کتاب کو اُٹھاتا تو دماغ تھا میرا تیز اُس کو جلد بندی سے پہلے پڑھ لیتا۔سبحان اللہ! ہمارے اکابرین کی کتابیں ایسی عجیب وغریب ہیں، اپنے اندر کشش رکھتی ہیں تو اُن کے ساتھ وابستگی ہو گئی اور پڑھنے کا مرض لگ گیا جسے آپ لوگ کہتے ہیں کریز (Craz) ہو گیا۔تو ایک دن فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کی ورق گردانی کر رہا تھا تو اُس میں لکھا ہوا تھا کہ اگر کسی آدمی کو اویسی فیض ہو گیا ہو تو کیا وہ سلسلہ چلا سکتا ہے؟ دارالعلوم کے مفتی صاحب نے جواب دیا ہوا تھا کہ

اویسی فیض تو ہوسکتا ہے مگر اویسی فیض پر آدمی سلسلہ نہیں چلا سکتا جب تک کسی زندہ شیخ کی تربیت سے گزر کر اُس نے سلسلہ چلانے کی اجازت نہ حاصل کی ہو۔ تو خیر مولانا صاحبؒ کسی اہلِ حق کی مخالفت نہیں کیا کرتے تھے کیونکہ اہلِ حق کا مدرسہ ہو، بیعت کا سلسلہ ہو، دینی ادارہ ہو، دینی محنت کی ترتیب ہو تو اُس کی مخالفت تو گویا آسمان کو پتھر مارنا ہے۔ کسی دینی سرگرمی کی مخالفت تو اپنی آخرت تباہ کرنا ہے۔ حضرت مولانا صاحبؒ کبھی اہلِ حق کی مخالفت نہیں فرمایا کرتے تھے مگر اس اویسی فیض والے سلسلے کی مخالفت کرتے تھے۔ ہم سوچتے تھے کہ اس سلسلے میں چلنے والے لوگ نماز پڑھتے ہیں، داڑھی رکھ لیتے ہیں اور حضرت صاحبؒ پسند نہیں کرتے ہیں یہ کیا بات ہے؟ انہی دنوں میں گاؤں گیا تو بھتیجا ہمارا اردگرد کی معلومات رکھتا ہے، اُس نے مجھے بتایا کہ اُن اویسی کا فلانا خلیفہ جو اُن کی طرف سے تربیت کیا کرتا تھا وہ دہریہ ہوگیا، توحید سے ہی فارغ ہوگیا۔ میں نے اُس سے کہا کہ برخوردار یہ توجہ کرنے والے سلسلے جو ہیں ان کو بہت خطرہ ہوتا ہے کیونکہ یہ توجہ سے دوسرے کے قلب پر جو اثر ڈالتے ہیں تو کچھ عرصہ بعد سمجھتے ہیں کہ یہ تو کہیں میں خود ہی کر رہا ہوں کہ آدمی کو رلا دیتا ہوں، دل کو اُچھال دیتا ہوں۔ ایک دفعہ میں نے مذاق میں ساتھیوں سے کہا کہ کسی آدمی کو ڈرانا ہو تو رات کو میں اُس پر توجہ کرتا ہوں تو وہ ڈر جاتا ہے اپنے گھر پر سویا ہوا، یا کوئی بات کرنی ہو تو وہ اُس کو القا کر دیتا ہوں۔ یہ مشق ہوتی ہے اور بعض اوقات آدمی امریکہ تک کر سکتا ہے۔ تو ہمارے کسی ساتھی نے مولانا صاحبؒ سے شکایت لگائی کہ ڈاکٹر فدا کہتا کہ میں آدمی کے دل پر توجہ کر کے رات کو آدمی کو ڈرا دیتا ہوں یا اُس کے دل میں کوئی بات ڈال دیتا ہوں۔ جب میں خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت مولانا صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے سخت ڈانٹ فرمائی کہ ایسی باتیں کرنے والے سے نبوت کا دعویٰ کرنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ میں بڑا ڈرا اور استغفار کیا۔

میرے بھتیجے نے ایک عجیب واقعہ سنایا کہ اسی اویسی سلسلے کا ایک ڈاکٹر یہاں آیا ہوا ہے وہ چند دن اپنے ساتھ بیٹھنے والوں کے لطائف جاری کر دیتا ہے اور قبر پر لے جا کر کشف قبور بھی کرا دیتا ہے۔ بھتیجے نے کہا کہ مجھے بھی بلایا تھا کیونکہ میں گاؤں کے دینی آدمیوں میں سے تھا اور اُس کا خیال تھا کہ یہ آئے گا تو گاؤں کے اور لوگ بھی آئیں گے۔ ایک دوبار میں گیا تو اُس نے خواجہ معین الدین اجمیریؒ کے خلاف باتیں کی کہ وہ تو کوئی خاص آدمی نہیں تھا بس ٹھیک تھا، مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ بھتیجے نے بتایا کہ رات کو مجھے خواب میں

حضرت علاؤالدین علی احمد صابر کلیریؒ کی زیارت ہوئی۔ ہمارا سلسلہ چشتیہ صابریہ ہے جو بابا فرید گنج شکرؒ کے بعد حضرت علاؤالدین علی احمد صابر کلیریؒ سے چلتا ہے۔ تو کہا کہ اُن کی زیارت ہوئی میں دیکھتا ہوں کہ یہ ڈاکٹر چراغ جلا رہا ہے اور حضرت مجھ سے فرمارہے ہیں کہ اس چراغ کو جلنے نہ دو۔ میں سوچ رہا ہوں کہ میں کیا کروں اس کو کیسے روکوں کہ اتنے میں حضرت صاحبؒ نے وہی سے توجہ کی، اُن سے ایک لہر آئی جو اُن سے مجھ پر آئی اور مجھ سے چراغ پر گئی اور وہ چراغ بجھ گیا۔ تو میں نے کہا کہ برخوردار جب ہم اور آپ صحیح ترتیب کو نہیں چلائیں گے تو باطل کام چلے گا۔ آپ کو جو بزرگوں نے صحیح ترتیب بتائی ہے اُس کو نہیں کریں گے تو یہ باطل چیزیں چلیں گی یہاں پر۔ اُس نے کہا میں کیا کروں؟ میں نے کہا کہ آپ صحیح چیز چلائیں تاکہ روشنی پھیلے اور ظلمت کا پھیلاؤ نہ ہو۔ سچ بات ہے کہ اصل کے ساتھ جعلی چیز ہر جگہ چلتی ہے۔ گاؤں میں ہی بھتیجے نے مجھ سے کہا کہ فلاں چیز ہم نے بیچی تھی تو وہ آدمی گھر پر آکر پیسے عورتوں کو دے کر چلا گیا۔ میں گھر آیا تو مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں جعلی نوٹ دے کر نہ چلا گیا ہو۔ میں پیسے لے کر فوراً بینک چلا گیا، بینک والوں کا تجربہ ہوتا ہے کہ گنتے ہوئے اُن کو انگلیوں میں اندازہ ہوجاتا ہے کہ یہ نوٹ اصلی ہے کہ جعلی۔ اصلی کی پہچان کی نشانیاں ہیں کہ نوٹ پر جو بت ہے اُس کے واسکٹ کا کالر کھردرا ہوتا ہے اور بھی نشانیاں ہوتی ہیں۔ سبحان اللہ! بینک والوں نے اصلی جعلی کی پرکھ سیکھی ہوئی ہے ہمیں پرکھ نہیں ہے ہمیں کوئی جعلی نوٹ دے کر چلا جائے تو ہمیں پتہ نہیں چلتا۔ تو اصلی کے ساتھ جعلی چیز چلتی ہے۔ اس لئے ہم مقاصد کو بار بار واضح کرتے ہیں کہ مقاصد سامنے آئیں اور انسان کی توجہ انہی کو حاصل کرنے میں لگے۔ ماہرین تو مقاصد کو جانتے ہیں اور آدمی کی پرکھ مقاصد کی لائن پر کرتے ہیں۔ مقاصد اس کے اندر زندہ ہوگئے تو آدمی بن گیا۔

یہاں ایک آدمی آئے، ایسے بیان کئے اور ایسی تقریریں کیں، جماعتیں نکالیں۔ کسی نے پوچھا آپ یہاں کیسے آئے؟ تو کہا کہ مقصد تو دین کا کام ہے اور ساتھ کچھ کاروبار کا بھی ارادہ ہے۔ اب لوگوں سے پیسے جمع کئے کسی سے ایک لاکھ، دو لاکھ، چھ لاکھ بارہ لاکھ۔ اب ہر مہینے اُن کو کسی کو دس ہزار کسی کو بیس ہزار روپے دیتے کہ یہ منافع ہوا ہے۔ لوگ بڑے خوش تھے کہتے کہ دیکھیں نا ایسے بھی اللہ والے ہوتے ہیں اور سود کے مقابلے میں یہ مضاربت کا نظام بہت مفید ہے۔ اس طرح اُس نے لوگوں کا اعتبار حاصل کیا اور کوئی دو کروڑ روپے تک جمع کر لئے، کسی سادہ لوح تبلیغی امیر صاحب نے بیان کے زور اور جماعتوں کے نکالنے کی

مشق سے متاثر ہو کر رشتہ بھی دے دیا۔ کچھ عرصہ بعد آدمی بال بچے چھوڑ کر دو کروڑ روپے سمیت غائب ہو گیا۔ دو آدمی جن کے چھ اور بارہ لاکھ تھے، انہوں نے بڑی مشکل سے کوئٹہ میں ڈھونڈ نکالا۔ اُس نے جونہی دیکھا تو کہا سبحان اللہ! پشاور کے بزرگ آئے ہیں، میں آپ کے لئے فروٹ لاتا ہوں اور آدمی پھر غائب ہو گیا۔ بارہ لاکھ والے کو تو ہارٹ اٹیک ہو گیا اور دوسرے کی نیند اُڑ گئی۔

ہمارے حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ بیان نہیں کیا کرتے تھے۔ لیکن آدمی جا کر ملتا تو ہاتھ ملاتے ہی آدمی کو اپنے باطن میں تبدیلی آنا محسوس ہو جاتی تھی۔ میں جا کر بیٹھتا تو تھوڑی دیر میں یہ حال ہو جاتا کہ گویا کتے سے بھی زیادہ معمولی میری حیثیت ہے اور اگر حضرت صاحب فرما دیں کہ اس ڈاکٹر فدا کے گلے میں رسی ڈال کر دروازے پر باندھ دو تو بس یہی میری حیثیت ہے۔ یہ اُن کی مجلس کی تاثیر ہوتی تھی۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ ساری عمر حدیث پڑھاتے رہے، فرماتے تھے کہ جلسوں وغیرہ میں میں نے کبھی تقریر نہیں کی۔ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھے کسی جلسے میں لے گئے، مجھے بٹھایا ایک آدمی نے تقریر شروع کی تو جوشِ تقریر میں جو اُس نے مبالغہ آرئیاں شروع کیں اور شریعت کی حدود پار کرنے لگا تو میں نے کہا آپ یہ بات ٹھیک نہیں کہہ رہے۔ اُس نے کہا ٹھیک ہے جی اور مضمون کو بدلا۔ خطیب حضرات کو جوش وخروش طاری کرنا ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں پھر جوش وخروش میں حد سے نکلا تو میں نے پھر ٹوکا۔ آدمی خاموش ہو گیا کچھ کہا نہیں۔ تیسری دفعہ جو حد سے نکلا اور میں نے ٹوکا تو کہنے لگا آپ تو تقریر ہی نہیں کرنے دیتے۔ تو آپؒ تقریر ہی نہیں کیا کرتے تھے۔ لیکن اللہ کی شان کہ جو محنت مجاہدہ کر کے اپنے باطن کو بنایا اور اللہ تعالیٰ کا تعلق پیدا کیا تو بارہ سال قطب ارشاد رہے۔ ساری دنیا میں اللہ تعالیٰ کے تعلق کا ایک واحد بندہ ہوتا ہے جو اس دور کا قطب الاقطاب ہوتا ہے، قطبِ مدار ہوتا ہے، قطبِ ارشاد ہوتا ہے۔ آخری عمر میں چھوٹی سی جگہ پر بیٹھتے تھے لوگوں کی اتنی آمد ورفت ہوتی تھی کہ آدمی کو پانچ منٹ ملتے تھے مصافحہ کر کے بیٹھنے کے۔ پانچ منٹ کے بعد اعلان ہوتا تھا کہ یہ لوگ اُٹھ کر چلے جائیں تاکہ اور لوگوں کو جگہ ملے۔ ہم جا کر وہاں بیٹھے حضرت مولانا صاحبؒ کی معیت میں تو آدمی نے کہا کہ پشاور کے مولانا اشرف صاحبؒ آئے ہیں۔ کسی سے بات نہیں فرماتے تھے صرف مصافحہ کرتے تھے۔ حضرت مولانا صاحبؒ سے انہوں نے حال احوال پوچھا اور دو تین باتیں کر لیں۔ جونہی پانچ منٹ گزرے اعلان ہوا کہ پہلے لوگ نکل جائیں تاکہ نئے لوگ آئیں۔ ہم اُٹھنے

لگے تو فرمایا آپ لوگ بیٹھے رہیں۔ تو ہم لوگوں کو مجلس کا موقع ملا۔ یہ ریڈیشنز (Radiations) جیسا معاملہ ہوتا ہے۔ کینسر کے مریض کو لے جا کر انم ہسپتال میں بٹھاتے ہیں، مشینوں کو گھما گھما کر اُس کی Dose سیٹ کرتے ہیں، شعائیں مشین سے نکل کر مریض کو جا کر لگتی ہیں، نہ نکلتے ہوئے پتہ چلتا ہے، نہ آتے ہوئے اور نہ لگتے ہوئے پتہ چلتا ہے۔ لیکن جب ایک ہفتہ مسلسل یہ ہوتا ہے تو تاثیر کا پتہ چل جاتا ہے کہ کینسر سکڑ گیا ہے، درد غائب ہو گیا ہے اور بیماری درست ہونے کے حالات ہو رہے ہیں۔ اسی طرح فیض بھی روح، قلب اور باطن پر اثر انداز ہونے والی چیز ہے، جوش و خروش الگ چیز ہے۔ کیفیات جب آتی ہیں تو اُس کے ساتھ جوش و خروش طاری ہوتا ہے اور فیض جب آتا ہے تو اُس کے ساتھ انوارات ہوتے ہیں۔ فیض کے ساتھ جوش و خروش طاری ہونا ضروری نہیں، اُس کے ساتھ آدمی کے دل کا حال بدلتا ہے اور عمل خیر کی توفیق ہوتی ہے۔ یہ واقعہ میں نے آپ کو بار ہا سنایا ہے کہ ہمارے ایک ساتھی ڈاکٹر ہیں جب بھی اُن کے پاس جانا ہوتا ہے تو تکبیرِ اولیٰ فوت ہو جاتی ہے کیونکہ مریضوں میں اتنے مصروف ہوتے ہیں کہ تکبیرِ اولیٰ کا دھیان ہی نہیں ہوتا۔ پہلی، دوسری یا تیسری رکعت میں جا کر شامل ہوتے ہیں حالانکہ تکبیرِ اولیٰ کا ضائع ہونا بہت بڑا نقصان ہے۔ ایک آدمی کہے کہ میں فلاں جگہ پر بیعت ہوں، بہت زیادہ ذکر اذکار کرتا ہوں، وظائف پڑھتا ہوں، تہجد پڑھتا ہوں، ایک گھنٹہ چشتیہ سلسلے کا ذکر کرتا ہوں وغیرہ وغیرہ، یہ ساری باتیں بہت مبارک ہیں لیکن فرض نماز کی تکبیرِ اولیٰ تک نہیں پہنچتے ہیں۔ تو میں جب بھی اُس ڈاکٹر صاحب کے پاس جاتا ہوں تو جاتے ہی یہ مذاکرہ شروع کر دیتا ہوں کی تکبیرِ اولیٰ بہت ضروری بات ہے اور آیا ہوا ہے کہ **التکبیرۃ الاولیٰ خیر من الدنیا و مافیھا** یعنی تکبیرِ اولیٰ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے، اس کی پابندی بہت ضروری بات ہے۔ یہ کہہ کر میں بیٹھتا تو دھیان رہتا اور توفیق ہو جاتی۔ اور جس دن یہ کہنا بھول جاتا تو تکبیرِ اولیٰ فوت ہو جاتی۔ میں اُس سے مذاق میں کہتا کہ یہ تیرا فیض ہوتا ہے کہ تکبیرِ اولیٰ تو ضائع کرا دیتا ہے۔

یہاں تک کہ آدمی کی نفسیاتی بیماری دوسرے کو منتقل ہو سکتی ہے، ایک کے اعصاب کا عکس دوسرے پر آتا ہے۔ ہمارے ایک بزرگ آتے ہیں جو بہت اللہ کے تعلق والے ہیں مگر ہیں مجذوب۔ اُن کی توجہ کی تاثیر سے آدمی پر جنون کی کیفیت طاری ہوتی ہے، تو اگر کوئی کمزور اعصاب والا ہو اور جنون کی کیفیت اگر پکی ہو جائے تو بس گیا یا مجنون ہو جائے گا یا مجذوب۔ بڑی احتیاط کرنی پڑتی ہے۔ حضرت مولانا زکریاؒ نے آپ

بیتی میں لکھا ہے کہ اگر میں ایک نماز میں کسی کے ساتھ کھڑا ہوتا تھا اور دوسری نماز میں بھی اُس کے ساتھ کھڑا ہو جاتا تو میری سخت پٹائی ہوتی تھی کہ تو کیا لوگوں کے ساتھ تعلق قائم کر رہا ہے، شکل وصورت کے بھی بہت خوبصورت تھے۔ کیونکہ آدمی کے دل کا حال دوسرے پر گرتا ہے اور بار بار کے ساتھ سے پکا ہو سکتا ہے۔ سوائے اکابرین کے کسی کے باطن پر دھیان کرنے کے لئے چھوڑا ہی نہیں والد صاحب نے۔ ثاقب صاحب کہہ رہا تھا کہ ہمارے مہمان آئے ہوئے تھے تو میں نے اُن کے قلب کی طرف دھیان کر کے اُن کا اثر لینا چاہا تو میں نے اُن سے کہا کہ ایسے ہر کسی سے فیض نہ لیا کرو، بعض اوقات کمزور اعصاب والے کو اعصابی تکلیف ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ سوائے اُن لوگوں کے جن کے بارے میں پکا یقین ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کے تعلق والے ہیں اور ان کے باطن میں جو خیالات کی رِیل چل رہی ہے اُس میں غیر اللہ نہیں ہے، معصیت نہیں ہے، شہوت نہیں ہے، ایسے لوگوں کے باطن پر دھیان کیا جائے تو فائدہ ہوتا ہے۔ حکیم الامت، مجدد الملت، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب تربیت السالک کی تینوں جلدوں اور دوسری تصانیف میں اس پر پوری بحث کی ہوئی ہے۔ ایک آدمی نے اُن کو خط لکھا کہ میرے بیٹے کی وفات ہوئی ہے اور اُس کی یاد میں بہت پریشان ہوں، بہت غم میں ہوں۔ ان کو جواب میں فرمایا کہ تم اپنے بیٹے کے دھیان کو قلب سے ہٹا کر اپنے خاندان میں اُس کے کسی ہم عمر کا دھیان لایا کرو تاکہ وہ غم زائل ہو جائے۔ اگر آدمی غم کو مسلسل دل میں جمائے تو ماشاء اللہ ایک ہفتے میں دل کا مریض بن جائے گا، دل کی بیماری کا فیض پالے گا۔

بات ہو رہی تھی اثرات آنے کی۔ بات یہ ہے کہ اول تو ہم محنت مجاہدہ نہیں کرتے، اعمال کی پابندی نہیں کرتے۔ اور اگر یہ پابندی کریں بھی تو ایسے لوگوں کا ساتھ نہیں چھوڑتے جو معصیت کو سوچتے ہیں، معصیت کو بولتے ہیں، جذباتِ شہوانیہ طاری ہوتے ہیں، قلب کو برباد کئے ہوئے ہوتے ہیں، ہم ایسی مجالس اور ایسی جگہوں کو نہیں چھوڑتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ قلب میں فیض قرار پکڑتا نہیں ہے، آتا ہے زائل ہو جاتا ہے، آتا ہے ڈُھل جاتا ہے اور باطن بنتا نہیں ہے کیونکہ ٹینکی کو پانی سے بھر رہے ہیں اور نیچے سے سوراخ کیا ہوا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ آنے والی چیز قرار نہیں پکڑتی ہے تاکہ بات جمے اور پکی ہو۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ امین!

ملفوظاتِ شیخ (حضرت ڈاکٹر فدا محمد دامت برکاتہم)

(ظہور الٰہی فاروقی صاحب)　　(قسط نمبر:۲۰)

انسان بڑا ہی ناشکرا اور بڑا ہی ظالم ہے کہ نفس کے عارضی مزے کے پیچھے پڑ کر اُس پیدا کرنے والی ذات ذُوالجلال کو بُھول جاتا ہے:

فرمایا کہ ایک بادشاہ نے کسی بزرگ سے نصیحت کی درخواست کی۔ اللہ والوں کے علومِ معرفت ہوتے ہیں۔ ایک عقلی علوم ہیں، ایک نقلی علوم ہیں اور ایک معرفت والے علوم ہیں ہے۔ نقلی علوم تو قرآن پاک کی آیات اور احادیث کا ترجمہ کر کے بیان ہوتے ہیں، عقلی علوم کے ضابطے عقل اور تجربے سے تعلق رکھتے ہیں اور معرفت والے علوم ان نقلی علوم پر مسلسل عمل، غور وفکر، ان کو پڑھنا پڑھانا اور ان کے مطابق باطن کے حالات حاصل کرنے کے لیے مجاہدات کرنے سے کھلتے ہیں اور وہ نقلی علوم کے تابع ہیں۔ کوئی عارف یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ میں قرآن وحدیث سے بے نیاز ہوکر کوئی چیز بیان کرسکتا ہوں۔ اللہ والے چھوٹی چھوٹی مثالوں سے معرفت کے دروازے کھول دیتے ہیں۔ بادشاہ کے لیے پانی لایا گیا تو انھوں کہا کہ بادشاہ سلامت! اگر آپ کی پیاس کی وجہ سے جان جارہی ہو اور ایک گلاس پانی کا ہو اور یہ سودا ہونے لگے کہ مملکت چاہئے کہ پانی چاہئے تو اس وقت کیا کروگے؟ تو بادشاہ نے کہا کہ مملکت دے کر پانی کا گلاس لے لوں گا۔ پھر ان بزرگ نے کہا کہ بادشاہ سلامت! اگر یہ پانی آپ پی لیں اور اس کا پیشاب بنے اور وہ رُک جائے اور نکلے نہیں اور پھر یہ بات سامنے آجائے کہ آپ کی مملکت اور پیشاب کے خارج ہونے کا سودا ہوجائے تو پھر آپ کیا کریں گے؟ تو بادشاہ نے کہا کہ میں مملکت دے کر پیشاب کے اخراج والا سودا کروں گا۔ تو انھوں نے کہا کہ آپ کی مملکت تو ایک گلاس پانی اور ایک بار پیشاب کرنے کے برابر بھی نہیں ہے۔ لہٰذا اے انسان! تُو اس ذاتِ ذُوالجلال کو پہچان جس کے صبح سے شام تک تجھ پر ہزاروں لاکھوں احسانات ہوتے ہیں۔ ہر وقت ہزاروں لاکھوں سگنل عالمِ بالا سے ہماری طرف چل رہے ہیں اور کام کر رہے ہیں۔ صبح سے شام تک آنکھ کتنی بار جھپکتی ہے؟ ایک منٹ میں ہم دس دفعہ تو آنکھ جھپکتے ہوں گے، تو اس طرح چوبیس گھنٹوں میں چودہ ہزار چار سو دفعہ ہوگیا۔ تو دن رات میں چودہ ہزار چار سو دفعہ عالمِ بالا سے آنکھ کے جھپکنے کا حکم آیا اور اس کے تحت ڈاکٹروں کی اصطلاح میں دو عناصر سوڈیم اور پوٹاشیم نے Nerve

membrane یعنی دماغی خلیے پر اثر کر کے بجلی کی رَو پیدا کی اور بجلی دوڑی۔ آنکھ کا جھپکنا ہے، کانوں کا سننا، ناک کا سونگھنا، زبان کا بولنا اور چکھنا، ہاتھ پاؤں کی حرکت ہے، ان سب میں یہ عمل ہر منٹ اور ہر سیکنڈ جاری ہے۔ ایک گردے میں دس لاکھ نالیاں پیشاب صاف کرنے پر مقرر ہیں، ایک وقت میں پانچ لاکھ نالیاں کام کرتی ہیں اور باقی پانچ لاکھ محفوظ رہتی ہیں۔ اگر کوئی نالی ختم ہو جائے تو اس کی جگہ دوسری نالی کام کرنے لگتی ہے، دو گردوں کا ایک چوتھائی بھی اگر باقی رہ جائے تب بھی آدمی کے بدن کی ضرورت کو پورا کرتا رہتا ہے۔ اگر وہ بھی نہ رہے تو ہر ہفتے ڈائیلاسس کرانا پڑتا ہے جس کا تین ہزار روپے خرچہ ہوتا ہے اور درد و کرب کی تکلیف الگ ہوتی ہے۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۝ (ابراھیم:۳۴)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اگر (ان کو) شمار کرنے لگو تو شمار میں نہیں لا سکتے، (مگر) سچ ہے کہ آدمی بہت ہی بے انصاف، بڑا ہی ناشکرا ہے۔

انسان بڑا ہی ناشکرا اور بڑا ہی ظالم ہے کہ نفس کے عارضی مزے کے پیچھے پڑ کر اس پیدا کرنے والی ذاتِ ذُوالجلال کو بھول جاتا ہے۔ قرآن مجید میں جہاں آیاتِ آفاقی اور آیات انفسی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احسانات کا تذکرہ ہے وہاں پھر بطور گلہ کے قرآن پاک انسانوں کو کہتا ہے کہ ایسے اللہ کو بھول کر تم اس کی نافرمانی کرتے ہو، اس سے منہ موڑتے ہو اور نفس کے مزوں کے پیچھے جاتے ہو۔ آدمی اللہ کے غیر کو بجائے اللہ کے لیتا ہے اور اس کے پیچھے جاتا ہے، اور اپنے پر اتنا بڑا ظلم کرتا ہے۔

بغیر اسباب کے توکّل کرنا آسان ہے جبکہ تمام اسباب کے ہوتے ہوئے توکل کرنا مشکل ہے:

فرمایا کہ سارے کے سارے اسباب سایہ، ظل اور بہانہ ہیں، اور ٹوٹ پھوٹ کر ختم ہو جانے والے ہیں، ان کا وجود انسانوں کی تسلّی کے لیے اللہ نے قائم کیا ہے۔ بیماری میں آدمی ڈاکٹر کے پاس پہنچ جاتا ہے اس کی کچھ تسلی ہو جاتی ہے، پیسے خرچ کر لیتا ہے تو کچھ آسرا ہو جاتا ہے، دوائی کھا لیتا ہے تو آدمی کہتا ہے کہ کچھ ہو گیا۔ اس لیے بزرگ کہتے ہیں کہ بغیر اسباب کے توکل کرنا آسان ہے، کہ جب کچھ ہے ہی نہیں تو آدمی کہتا ہے اللہ کا آسرا ہے وہ جو کرے گا ہو گا۔ اور جب سارے اسباب اعلیٰ سے اعلیٰ موجود ہوں اور اختیار کیے ہوئے ہوں اور پھر آدمی یہ سمجھ رہا ہو کہ اللہ پاک کرے گا اور جب تک اللہ تعالیٰ نہیں چاہے گا تو نہیں

ہوگا یہ توکل مشکل ہے۔ کیونکہ اب آدمی بے نیاز ہوتا ہے اور اس کی طبیعت توکل کی طرف مائل نہیں ہوتی۔

ماسٹر اسلم صاحب ہمارا ایک ساتھی ہے وہ ایک دفعہ آیا، میں نے کہا کس لیے آئے ہو؟ تو اس نے کہا کہ تبدیلی کرانی ہے، ڈویژنل ایجوکیشنل افسر فلانا ہے جو ہمارا دوست ہے، ڈسٹرک افسر فلانا ہے جو ہمارا دوست ہے، بس جاتا ہوں اور آج تبدیلی کراتا ہوں۔ اس نے جُوں ہی یہ بات کہی تو میرے دل میں یہ بات کھٹکی کہ اس نے تو اسباب کا ایسے تذکرہ کیا کہ گویا اسباب سے کام بنتا ہے، اللہ خیر کرے۔ اب گیا اور سارا دن پھرتا پھراتا شام کو تھکا ماندہ واپس آیا اور کہنے لگا..... خدا فلانے کو غرق کرے، خدا فلانے کو غرق کرے، میرا کام نہیں کیا۔ میں نے سوچا کہ ان کو کیا اختیار تھا کام کرنے کا۔ کام کرنا نہ کرنا تو اللہ تعالیٰ کا اختیار تھا، اللہ نے نہیں چاہا تو نہیں ہوا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے امرِ کُن کو ساری کائنات میں بکھیرا ہے اور اس سے چیزیں وجود میں آئی ہیں:

فرمایا کہ فلسفہ والوں کی یہ بحث ہے کہ واجب الوجود فقط ذاتِ باری تعالیٰ ہے جو خود بخود قائم ہے، باقی ساری چیزیں ظلی (سایہ) ہیں اور ان کا وجود حقیقی نہیں ہے بلکہ امر الٰہی سے قائم ہیں۔ صوفیاء جو نفی اثبات کا ذِکر کرتے ہیں **لا الہ الا اللہ** اس میں دھیان کرنا ہوتا ہے کہ نہیں معبود سوائے اللہ تعالیٰ کے، نہیں مقصود سوائے اللہ کے۔ پھر اس میں ایک درجہ ہے کہ نہیں موجود سوائے اللہ کے، کوئی نہیں موجود سوائے اللہ کے، یہاں تک کہ اپنی ذات نہیں موجود سوائے اللہ کے۔ ایک آدمی کہتا ہے کہ میں نے ایک جگہ دیکھا کہ کچھ فقرا کی جماعت ذِکر کر رہی تھی۔ جب کہتے **لا الہ** تو سب چیزیں غائب ہو جاتیں یہاں تک کہ وہ ذِکر کرنے والے بھی غائب ہو جاتے، اور جب **الا اللہ** کہتے تو ساری چیزیں نظر آنے لگتیں اور وہ بھی نظر آنے لگتے۔ تو دوسرے فقیر نے کہا کہ وہ اُس درجے کی نفی پر ذِکر کر رہے تھے کہ جس میں سب چیزوں کے وجود کی نفی اور اپنی ذات کی بھی نفی اور فقط واجب الوجود کی موجودگی، وجود اور قائم ہونا باقی رہ گیا تھا، لہٰذا اس کے اثرات بھی ظاہر ہو رہے تھے جو آپ کو بھی نظر آ گئے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے امرِ کُن کو ساری کائنات میں بکھیرا ہے اور اس سے چیزیں وجود میں آئی ہیں۔

عام انسانوں کے لیے اللہ نے کائنات میں اُصول بنائے ہیں:

فرمایا کہ افغانستان میں جب کیمونسٹ انقلاب آیا تو ان دنوں وہاں سکولوں میں اُستاد اور کالجوں

میں پروفیسر دِین کے سلسلے میں طلباء کو بڑا تنگ کرتے تھے۔ایک سکول میں ایک اُستاد بچوں کو کہہ رہا تھا کہ یہ بس جو کھڑی ہے، اللہ تعالیٰ سے کہو کہ اس کو چلا دے۔اللہ کی شان کہ طالبعلم نے اسے ایسا منطقی جواب دیا کہ استاد کی عقل کو چکرا دیا۔اس نے کہا کہ اگر ایسے ہی کھڑی بس بغیر وجہ کے چل جایا کرے اور چلتی بس کھڑی ہو جایا کرے تو پھر تو تم زندگی نہیں گزار سکو گے۔اللہ تعالیٰ نے زندگی گزارنے کے لیے اُصول بنائے ہیں۔افغانستان ہی کے لطیفوں میں ہے کہ ایک سکول میں ایک اُستاد کہہ رہا تھا یہ کیا چیز ہے؟ لڑکے کہتے کہ ٹوپی ہے۔وہ کہتا کہ کیوں؟ اس لیے کہ نظر آ رہی ہے۔یہ بلیک بورڈ ہے کیونکہ ہمیں نظر آ رہا ہے۔یہ کتاب ہے جو نظر آ رہی ہے۔اس نے طلباء کو یہ اُصول ذہن نشین کرایا کہ مانتے اس چیز کو ہیں جو نظر آتی ہے۔پھر اس نے کہا کہ خدا کہاں ہے؟ تو چھوٹے بچے کیا جواب دیں۔ایک بچے پر اللہ نے کھولا اور اس نے کہا کہ یہ اُستاد کی ٹوپی ہے جو نظر آ رہی ہے، یہ اس کے کپڑے ہیں جو نظر آ رہے ہیں۔پھر اس نے کہا کہ اُستاد کی عقل نظر آ رہی ہے؟ بچوں نے کہا کہ نہیں نظر آ رہی۔تو اس نے کہا کہ نظر نہیں آتی تو پھر نہیں ہے۔اس طرح اس نے اُستاد کو ہی اس کے اپنے اُصول سے بے عقل قرار دے دیا۔عام انسانوں کے لیے اللہ نے کائنات میں اُصول بنائے ہیں۔یہ بیماری ہے، یہ اس کی تشخیص ہے، یہ اس کی دوائی ہے، یہ احتیاط کرو گے۔لیکن کوئی احتیاط، کوئی دوائی، کوئی وسیلہ، کوئی سبب بذاتِ خود کسی کو فائدہ نقصان نہیں دیتے۔ان کو ہم اللہ کا حکم پورا کرنے کے لیے اور اس حکم کو پورا کرنے کا ثواب حاصل کرنے کے لیے اختیار کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کے اظہار کے لیے کہ اے اللہ! ہم آپ کی ادنیٰ سے ادنیٰ چیز کے محتاج ہیں۔

دوئی (غیر اللہ کے تأثر) کو کیسے ختم کیا جائے؟

فرمایا کہ توحید کا اور دوئی ختم ہونے کا ایک ایسا مقام ہے کہ جس پر غیر اللہ کی تاثیر اور سب چیزیں باطل ہو جاتی ہیں۔یہ لوگ پانی پر چلتے ہیں، ہوا مسخر ہو جاتی ہے۔عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس کی مثال گیند پھینکنے کی طرح ہوتی ہے کہ آدمی گیند پھینکتا ہے جو اُوپر چڑھتی ہے اور ایک بلندی تک پہنچ کر اسے چھوتی ہے لیکن وہاں ٹھہر نہیں سکتی ہے پھر وہاں سے واپس آتی ہے۔اس جگہ کو ایک ہی دفعہ چھو سکتی ہے، یہ جو حال ہوتا ہے اس کو بھی آدمی کسی کسی وقت چھوتا ہے۔صحابہ کرامؓ جب دریائے دجلہ کے کنارے گئے تو اس وقت ایمانی سطح اس حال کو چھو رہی تھی کہ دریا پر قدم رکھا اور پار ہو گئے۔لیکن یہ حال ہر وقت نہیں ہوتا بہر حال دوئی کا اتنا ختم کرنا تو فرض، واجب ہے کہ جس میں آدمی اللہ تعالیٰ کے فرض، واجب حکم کو نہ

توڑے۔اب آپ کو غیر اللہ سے ایک فائدہ مل رہا ہے لیکن اللہ کا حکم توڑنا پڑتا ہے،اب یہاں دوئی کا مقابلہ آگیا ہے کہ آیا آپ مفاد کو لے کر حکم کو توڑتے ہیں تو آپ نے ایک کو چھوڑ کر دوئی اختیار کر لی اور عملی کفر اختیار کر لیا، اعتقادی کفر تو نہیں ہوا کیونکہ آپ دِل سے کہتے ہیں کہ بات ٹھیک تو ویسے ہی ہے لیکن ہم کمزور ایمان والے ہیں۔تو یہ بات آہستہ آہستہ حاصل ہوتی ہے۔اس کے لیے چار محنتیں کرنی ہوتی ہیں،ایک قول وبول کی محنت،ایک سوچ وفکر کی محنت،ایک آنکھ اور دیکھنے کی محنت اور ایک سننے کی محنت،جب یہ چاروں محنتیں عرصہ دراز تک ہوتی ہیں تو آدمی توحید کو بولتا ہے اس کے خلاف نہیں بولتا،توحید کو سنتا ہے اس کے خلاف نہیں سنتا،توحید کے خلاف کوئی بولتا ہے تو یہ دل سے اس کو رَد کرتا ہے کہ غلط کہہ رہا ہے.....ایسے نہیں ہے۔کسی کی زندگی پیسے سے نہیں بنتی،کسی کی زندگی عہدے سے نہیں بنتی۔تو آدمی قول بول کو دُرست کرتا ہے،سننے شنوائی کو دُرست کرتا ہے۔جب ہم دیکھتے ہیں تو نظر اندر ایک بات داخل کرتی ہے کہ یہ موٹر ہے،یہ بنگلہ ہے،یہ عہدہ ہے،یہ کرسی ہے،یہ زمینیں ہیں یہ جائیدادیں ہیں،ان سے زندگی بننے کا تأثر نظر اندر داخل کرتی ہے۔تو فنا کی نظر سے دیکھنا ہوتا ہے کہ وہ پڑی مٹی ہے جو سڑک کے کنارے ہے،یہ عمارت ہوگئی یہ کھڑی مٹی ہے،مٹی ہونے میں دونوں ایک ہیں۔یہ نگاہ کا مجاہدہ کرنا ہوتا ہے اور اس پر کوشش کرنی ہوتی ہے۔پھر غور وفکر کرنا ہوتا ہے،اس سے آہستہ آہستہ یوں ہوتا ہے کہ جس طرح آپ پیپل کا بیج پھینکتے ہیں۔چھوٹی سی ایک چیز سوئی کے برابر نکلتی ہے اگر اس پر آپ پیر رکھیں تو ختم ہو جاتی ہے،وہ پانی ہوا روشنی کو لیتی ہے اور کرتے کرتے جب چالیس پچاس سال گزر جاتے ہیں تو ایسا پیپل کا درخت بن جاتا ہے کہ جس کو آروں سے کاٹا نہیں جا سکتا۔دیہاتی آدمی اس کو کلہاڑے سے کاٹتا ہے مہینہ لگے یا پندرہ دن لگیں،اور جلدی کاٹنے کے لیے اس کے درمیان میں بارود ڈالتے ہیں اور اس کا دھماکہ کرتے ہیں پھر کہیں کٹتا ہے،ایسا مضبوط درخت ہوتا ہے۔پہلے تو وہ پاؤں کے نیچے آکر ختم ہوتا تھا اب اگر ٹرک اس کے ساتھ ٹکرائے تو ٹوٹ پھوٹ کر گر جائے،کرین اس کو اکھاڑ نہ سکے۔ایسے ہی عرصہ دراز میں آہستہ آہستہ اندر توحید جمتی ہے اور نقشِ دوئی (غیر اللہ) دُھلتا ہے اور کرتے کرتے آخر بات دِل میں جم جاتی ہے۔

(جاری ہے)

☆☆☆☆☆☆☆

یادِ محبوب

(یکے از خدام سید مسرت حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ و حضرت ڈاکٹر خان بہادر مروت دامت برکاتہم)

زندگی کی یوں ہی صبح وشام ہے ایک میں ہوں اور ان کا نام ہے

یہ زباں اور ذکر تیرے نام کا؟ یہ تیری توفیق اور انعام ہے

قلب وجاں میں رچ گئی جس کی مٹھاس ایسا میٹھا نام تیرا نام ہے

اشک کا سیلِ رواں کیونکر رُکے موجزن دل میں کسی کا نام ہے

ذکر کی وہ لذت و تاثیر ہے نوش جاں جیسے مئے گلفام ہے

باقی ہر اک ذکر سے وحشت بڑھے اک تمہارے ذکر سے آرام ہے

بن تمہارے سکھ میں بھی لذت کہاں تو ملے تو دکھ میں بھی آرام ہے

اور سب کو چھوڑ کر تیرا بنوں! یہ تمنا بھی تیرا انعام ہے

اک نظر سے مجھ کو بےخود کردیا چشمِ ساقی بھی چھلکتا جام ہے

میرے شوق و عشق ومستی کے لئے چشمِ ساقی مورد الزام ہے

یہ نویدِ مے کشی رندوں کو دو ہر پہر گردش میں ان کا جام ہے

عشق کے دربار کا دستور ہے جو بھی فرزانہ ہے وہ ناکام ہے

یا عبادی الذین اسرفو عاصیوں کے نام یہ پیغام ہے

لا تقنطو من رحمۃ اللہ کی صدا ہے روزِ محشر وردِ خاص وعام ہے

جی رہا ہوں بس اسی امید پر تیری رحمت ہر کسی کو عام ہے

صحبتِ ابرار کے پانے کا شرف مجھ سے عاصی پر تیرا انعام ہے

{ یاعبادی الذین اسرفو (اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا یعنی گناہ کئے)

لا تقنطو من رحمۃ اللہ (اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہوں)}

حالتِ نزع

(ڈاکٹر سیّد فہیم شاہ، ڈسٹرکٹ سپیشلسٹ، کوہاٹ)

میں اُس کے جنازے میں شریک تھا۔ خاموشی کے ساتھ چلتے جنازے کے ساتھ لوگ آ آ کے شامل ہو رہے تھے۔ میں نے ساتھ چلتے ایک آدمی کے کندھے پر ہاتھ رکھا جو اپنے آنسوؤں کو اپنے ہاتھ سے صاف کر رہا تھا اور تسلّی کے کُچھ الفاظ جو بن پڑے اُسے کہہ دئے۔ اُس نے میری طرف دیکھ کر میرا حال حقیقت معلوم کی۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کی وہ خدمت جو آپ نے اپنے والد صاحب کی کی ہے، قبول کرے۔ واقعی بڑھاپے میں اپنے ماں باپ کی خدمت کرنا بڑے اجر و ثواب کا ذریعہ ہے۔ جنازہ کیلئے میّت کو میدان میں رکھا گیا۔ تھوڑی دیر بعد جنازہ سے لوگ فارغ ہو کر میّت کے چہرے کو دیکھنے لگ گئے۔ اُسکے بیٹے نے مجھے کہا کہ آپ بھی میرے بابا کو دیکھ لیں۔ زندگی میں تو آپ بطورِ معالج کے دیکھتے ہی تھے اب زندگی کے بعد بھی دیکھ لیں۔ میں اُس کے کہنے پر قطار میں شامل ہوا۔ جب میّت پر نظر پڑی تو آنکھوں کے ڈھیلے اندر دھنسے ہوئے تھے اور آنکھوں کی گولائی میں سامنے سے گھڑا سا بنا ہوا تھا۔ چونکہ مُنہ میں دانت نہیں تھے اسلئے مُنہ اندر کی طرف مڑا ہوا، رنگ زردی مائل، اِرد گرد سفید کفن۔ میرے سامنے ایک مردہ رکھا ہوا تھا جو بات کرنے کے قابل نہیں تھا۔ ان کی آنکھوں کو دیکھ کر مجھے ایک حدیث شریف کا مفہوم یاد آیا کہ قبر میں سب سے پہلے آنکھیں کیڑوں کی خوراک بنتی ہیں مگر جس کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھنا چاہیں۔ اُس بابا کی موت سے پندرہ دن پہلے اُسکا بیٹا اُس سے باتیں کر رہا تھا کہ اچانک اُس کے ہاتھ پاؤں پر رعشہ طاری ہوا جو تھوڑی دیر بعد ختم ہو گیا۔ لیکن اُس معمولی دورے کی وجہ سے سوچنے سمجھنے کی صلاحیّت کافی کم ہو گئی۔ پیشاب، پاخانہ کی سمجھ بھی جاتی رہی۔ کھانا اُس کے سامنے رکھتے تو سالن پی جاتا اور روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے باہر جا کے چڑیوں کو ڈال دیتا اور ساتھ کہتا، لو تمہاری روٹی۔ آہستہ آہستہ کمزوری بڑھتی گئی۔ پھر آخری دنوں میں چلنے پھرنے کی صلاحیّت بھی ختم ہو گئی۔ سینے سے کبھی خرخر کی آوازیں آتیں کبھی ٹھیک ہو جاتیں۔ گھر والے سمجھ گئے کہ باباجی پر نزع کے حالات شروع ہو چکے ہیں۔ چونکہ نسوار کی عادت تھی اس لئے ہاتھ کے اشارے سے مُنہ کے اندر کچھ رکھنے کا کہتے۔ آخری شام کو اسکے پاؤں ٹھنڈے ہونا شروع ہوئے۔ آنکھیں جو پہلے اِدھر اُدھر دیکھتی تھیں اب ایک جگہ ٹھہر گئیں۔ سینے سے آوازیں تیز ہونے کے بعد خاموش ہو گئیں۔ پھر سارا جسم ٹھنڈا پڑ گیا۔ چونکہ سارے رشتہ دار اِکٹّھے ہو گئے تھے اس لئے کمرے سے آہ و فغاں کا سلسلہ شروع ہوا جو جنازے کے بعد تک جاری رہا۔

میں جنازے سے فارغ ہونے کے بعد اُسکے بیٹے سے اجازت لینے گیا جو قبر کے پاس کھڑا تھا۔ آنسو اُسکے رخسار پر بہہ رہے تھے۔ میں نے اُس کو تسلّی دی اور ساتھ کہا کہ میں نے اور آپ نے بھی یہیں جانا ہے۔ خوش نصیب وہ شخص ہے جو اپنے ربّ کو راضی کر کے دنیا سے جائے۔

میرے پاس ایک بوڑھی امّاں ہسپتال آتی جاتی تھی۔ جب بھی آتی اپنے غم کا دُکھڑا ضرور سناتی۔ ہر دفعہ کچھ نہ کچھ میرے لئے ضرور ساتھ لاتی۔ ایک دفعہ دنداسہ (اخروٹ کا چھلکا) لے کر آئی۔ اس دفعہ جب کمرے میں داخل ہوئی تو پلّو میں سے تین انڈے نکال کر میرے سامنے رکھ دئے۔ اور ساتھ کہا کہ میرے پاس اس دفعہ یہی انڈے تھے۔ میں نے ان انڈوں کو دیکھا پھر امّاں کے چہرے پر نظر دوڑائی تو مجھے اخلاص سے بھرے جذبات محسوس ہوئے۔ اُس کے چہرے پر موٹے شیشے کا چشمہ ہوتا تھا جو اُس نے اکثر پیچھے سے باندھا ہوتا تھا۔ چہرے پر جھریاں کافی نمایاں تھیں۔ وہ بلڈ پریشر کی مریضہ تھی۔ جب بھی میں دیکھتا تو بلڈ پریشر زیادہ ہوتا۔ میں دوائی باقاعدگی سے کھانے کا اُس کو مشورہ دیتا تو جواباً کہتی بیٹا کبھی پیسے ہوتے ہیں کبھی نہیں ہوتے۔ دل میں غم کی وجہ سے بھی بیماری زیادہ ہوگئی ہے۔ میں ہر دفعہ اُسکی داستانِ غم سنتا تاکہ اُسکے دل کا بوجھ کم ہو۔ اُسکی داستان اُسکی زبانی کچھ یوں ہے۔

میرے تین بیٹے تھے۔ ایک کراچی میں ہوتا ہے، ایک تیراہ میں اور ایک چھوٹا بیٹا میرے ساتھ اِدھر ہوتا تھا۔ چھوٹے بیٹے کی عمر ۲۲ سال کے لگ بھگ تھی کہ میں نے اُس کی شادی کرائی۔ اللہ تعالیٰ نے ایک لڑکی اور دو لڑکے عطا کئے۔ سب سے چھوٹے بیٹے کی عمر ۷ ماہ تھی جب اُسکی ماں سانس کی تکلیف کے ساتھ ہسپتال میں داخل ہوئی۔ میں ساتھ تھی۔ بچّہ اُسکی ہی گود میں تھا۔ ہسپتال کے عملے نے اپنی کوشش شروع کی۔ مختلف ادویات دی گئیں لیکن اُسکی تکلیف زیادہ ہوتی گئی۔ سینے میں گُھٹن سی محسوس کرتی تھی۔ کچھ دیر سانس کم ہو جاتا پھر تیز ہو جاتا۔ سارے جسم پر ہلکا سا نیلا پن ظاہر ہو چلا تھا۔ لیٹنے میں اُسکی سانس زیادہ خراب ہوتی تھی۔ سانس کی بے ترتیبی سے بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ جس کی وجہ سے وہ بار بار پہلو بدلتی اور اپنے مُنہ سے سانس کو مشقّت سے اندر لینے کی کوشش کرتی۔ اپنے بچّے کو اپنے سینے سے آخری دم تک چمٹائے رکھا۔ میں نے بچّہ لینے کی کوشش کی لیکن اُس نے دینے سے انکار کر دیا۔ وہ بار بار اپنے سینے سے بچّے کو دودھ پلانے کی کوشش کرتی لیکن پہلو بدلنے سے دودھ بچّے کے مُنہ سے ہٹ جاتا۔ جس کی وجہ سے وہ روتا جاتا۔ میں نے جب دیکھا کہ میری بہو کے جسم کی حرکت کمزور ہو گئی ہے اور جسم زیادہ نیلگوں ہو گیا ہے تو بہو کا سر اپنے سینے کے ساتھ لگا دیا۔ اُس وقت میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے کیونکہ اُس وقت اُس کے بچنے کے حالات معدوم ہو گئے تھے۔ آہستہ سے میں نے بچّے کو اپنے گود میں لے لیا۔

میں بہو کے سر پر اپنی انگلیاں پھیرنے لگی۔ اُس کی آنکھیں آخری وقت تک اپنے بچّے پر ہی مرکوز رہیں۔ اُس کی بے ترتیب سانسیں آہستہ آہستہ رُک گئیں۔ جسم بے جان اور ٹھنڈا پڑ گیا۔ ساتھ اُسکا بڑا لڑکا جس کی عمر پانچ سال کے لگ بھگ تھی، کھڑا اپنی ماں کی موت کا تماشا خاموشی کے ساتھ دیکھتا رہا۔ جب جسم ٹھنڈا ہوا تو وہ اپنی ماں کے قریب کھڑا اماں کو آوازیں دینے لگا۔ ڈاکٹر صاحب یہ وقت بہت سخت تھا۔ پھر میں اپنی بہو کو گھر لے آئی۔ بیٹے کو اطلاع دی جا چکی تھی۔ چونکہ وہ مزدوری پر تھا اسلیئے موت کے وقت موجود نہیں تھا۔ دفنانے کے بعد تین چھوٹے بچّوں کے ساتھ وقت گزارنا بڑا مشکل کام تھا۔ کچھ عرصہ گزرا میں نے اپنے بیٹے کیلیئے دوسری شادی کا بندوبست شروع کیا۔ پھر میں دوسری بہو گھر لائی۔ شادی کے ۹ ماہ گزر رہے تھے کہ میرے سامنے میرے بیٹے کو بجلی کے پنکھے کے ذریعے کرنٹ لگا اور بجلی نے اِس زور سے جھٹکے دیئے کہ وہیں پر حالتِ نزع طاری ہو گئی۔ میں نے دوڑ کر بجلی بند کی، بیٹے کے سر کو اپنی گود لیا لیکن اکھڑتی سانسیں بہت جلد خاموش ہو گئیں۔ میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ بہو نے بھی میری گود میں جان دی اور بیٹے نے بھی۔ گھر میں تینوں بچّے موجود تھے۔ جو ۹ ماہ کا بچّہ رہ گیا تھا اب اُس کی عمر ۲ سال سے اوپر ہو گئی تھی۔ بولنا شروع کیا ہوا تھا۔ اپنے ابّو کے ساتھ کافی مانوس تھا۔ تینوں بچّوں نے ابّو کو آوازیں دیں۔ چھوٹے نے اُس کو جھنجھوڑا کہ ابّو اٹھو نا مجھے اٹھاؤ لیکن ان کا ابّو 'میرا بیٹا' ہمیشہ ہمیشہ کیلیئے رخصت ہو گیا۔ کبھی میں اپنے یتیم ہونے والے بچّوں کو دیکھتی کبھی اپنے بیٹے کی لاش کو۔ ڈاکٹر صاحب میرا دل کاش کوئی دیکھتا۔ بچّے جب اپنے ابّو کو آوازیں دیتے تو میرا کلیجہ پھٹ جاتا۔ بڑی مشکل سے اسکے کفن دفن کا بندوبست ہوا اور اپنے بیٹے کو اپنے گھر سے رخصت کیا۔ بچّے میرے ساتھ مانوس ہونے کے سبب میرے ساتھ چمٹ کر روتے رہے۔ دنیا میں وہ اب اکیلے رہ گئے تھے۔ سب سے چھوٹے کو چونکہ میں ہر وقت اپنے ساتھ رکھتی اسلیئے وہ مجھے اَدے (ماں) پکارتا۔ کبھی کبھی کہتا کہ اَدے! ابّو کب آئے گا؟ تو میری ہچکیاں بندھ جاتیں تو وہ اپنی سادہ زبان سے پوچھتا کہ اَدے تُو روتی کیوں ہے۔ ابّو ضرور آئے گا میں جواب میں خاموش ہو جاتی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس کو کیا جواب دوں۔ کافی عرصے تک ہمارے گھر سے لوگ ہماری ہچکیوں کی آوازیں سنا کرتے تھے۔ لوگ اچھے تھے مجھے کافی دلاسہ دیا انہوں نے لیکن اندر کا غم بہت سخت تھا۔ تین ماہ بعد نئی بہو واپس اپنے والدین کے گھر چلی گئی۔ اور میں یتیموں کے ساتھ گھر میں اکیلی رہ گئی۔ اُسکے جانے کے غم میں بھی بچّے کافی روئے۔ میرے پوتوں کی عمروں میں اللہ تعالیٰ برکت ڈالے بڑی چھوٹی عمروں میں رونا شروع کر دیا ہے۔ اپنی روزی کیلیئے بڑے پوتے کو ایک دفعہ چھولے ابال کر دیئے کہ جا کر بازار میں بیچ آئے۔ جب تھال اٹھا کر میں نے اس کے سر پر رکھا تو مجھے اور اُس کو بہت رونا آیا۔ اب وہ بازار میں زمین پر بیٹھ کر تھال میں چھولے بیچا کرتا ہے۔ سکول کے بچّے اُس سے چھولے لیتے

ہیں۔ کبھی کبھی تو مجھ سے کہتا ہے کہ امّاں مجھے بھی شوق ہوتا ہے کہ میں بھی سکول پڑھوں۔ میں آگے سے خاموش ہو جاتی ہوں۔ سکول میں پڑھنے کیلئے تو پیسوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ صبر کی تلقین کے علاوہ میرے پاس ہوتا ہی کیا ہے۔

اُس کی غم سے بھری کہانی سن کر میں دم بخود ہو جاتا۔ اس پر مجھے تنبیہ الغافلین کی ایک حکایت یاد آتی ہے۔ حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ شام میں ایک یہودی رہتا تھا وہ ہفتہ کے دن تورات کی تلاوت کیا کرتا۔ ایک دفعہ تورات کھولی تو اس میں چار مقام پر حضور ﷺ کی تعریف وتوصیف دیکھی۔ یہودی نے وہ جگہ کاٹ کر جلا دی۔ اگلے ہفتے پھر تورات کھولی تو آٹھ جگہوں پر حضور ﷺ کی نعت اور وصف کا ذکر پایا۔ اُس نے یہاں سے بھی کاٹ کر جلا دیا۔ تیسرے ہفتے تورات کھولی تو یہی تذکرہ بارہ جگہ موجود پایا۔ یہودی سوچنے لگا کہ اگر میں یونہی کرتا رہا تو ساری کی ساری تورات اس تذکرہ سے بھر جائیگی۔ اپنے ساتھیوں سے پوچھنے لگا کہ محمد (ﷺ) کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جھوٹا شخص ہے (معاذ اللہ) بہتر یہی ہے کہ تُو اُسے دیکھے نہ وہ تجھے دیکھے۔ یہودی کہنے لگا کہ موسیٰ علیہ السّلام کی تورات کی قسم! مجھے اُن کی زیارت سے نہ روکو۔ ساتھیوں نے اجازت دیدی۔ وہ اپنی سواری پر سوار ہوا اور رات دن منزل بمنزل چلتا رہا۔ مدینہ طیبہ کے قریب پہنچا تو سب سے پہلے سلمانؓ سے اُس کی ملاقات ہوئی۔ بہت خوبصورت دیکھ کر سمجھا کہ محمد (ﷺ) یہی ہیں حالانکہ آپ کو اِس دنیا سے رخصت ہوئے تین دن ہو چکے تھے۔ حضرت سلمانؓ اس کی بات سے روئے اور کہا کہ میں تو اُن کا خادم اور غلام ہوں۔ وہ بولا پھر آپ کہاں ہیں؟ اب سلمانؓ سوچنے لگے کہ اگر وصال کی خبر سناتا ہوں تو یہ واپس ہو جائیگا اگر یہ کہدوں کہ موجود ہیں تو جھوٹ ہوگا۔ آخر کار کہنے لگے، میں تجھے حضور ﷺ کے صحابہؓ کے پاس لے چلتا ہوں۔ مسجد میں آئے تو صحابہؓ سب کے سب غم کی تصویر بنے ہوئے تھے۔ یہودی نے یہ سمجھ کر کہ حضور ﷺ ان میں ضرور موجود ہونگے، السّلام علیک یا محمد ﷺ کا کلمہ پکارا جس سے تمام صحابہؓ میں ایک کہرام مچ گیا۔ اور سب آہ و بکا کرنے لگے اور اس سے پوچھنے لگے تُو کون ہے؟ جس نے ہمارا زخم تازہ کر دیا ہے۔ کوئی اجنبی شخص معلوم ہوتا ہے۔ شاید تجھے یہ معلوم نہیں کہ حضور ﷺ کا تین روز پہلے وصال ہو چکا ہے۔ یہ سن کر وہ یہودی چیخنے لگا، ہائے میرا غم ہائے! میرے سفر کی ناکامی۔ اے کاش میری ماں مجھے نہ جنتی اور جن ہی دیا تھا تو کاش میں تورات نہ پڑھتا اور وہ پڑھی تھی تو کاش آپ کی تعریف وتوصیف پر نظر نہ پڑتی اور اگر یہ بھی ہو گیا تھا تو مجھے آپ کی زیارت ہی نصیب ہو جاتی۔ پھر کہنے لگا کہ یہاں علیؓ موجود ہیں؟ جو مجھے حضور ﷺ کے اوصاف اور حُلیہ مبارک کا تعارف کرائیں۔ حضرت علیؓ آگے بڑھے اور فرمایا میرا نام علیؓ ہے۔ وہ بولا میں نے تیرا نام بھی تورات میں دیکھا ہے۔ حضرت علیؓ نے حُلیہ بیان کرنا شروع کیا کہ آپ ﷺ نہ حد سے

زیادہ لمبے اور نہ ہی زیادہ چھوٹے تھے۔ سر مبارک گولائی پر تھا اور پیشانی کشادہ۔ آنکھوں کی سیاہی خوب سیاہ تھی۔ پلکیں دراز تھیں۔ ہنسی کے وقت دانتوں سے نورانی شعاعیں نکلتی تھیں۔ سینہ سے ناف تک بالوں کی لکیر تھی۔ ہتھیلیاں پُر گوشت تھیں۔ قدموں کے تلوے قدرے گہرے تھے۔ بدن کے جوڑوں کی ہڈیاں موٹی تھیں مثلاً کُہنیاں اور گھٹنے۔ آپؐ کے دونوں شانوں کے درمیان مہرِ نبوّت تھی۔ یہودی کہنے لگا، علیؓ! تُو نے جو کچھ بتایا صحیح بتایا۔ تورات میں آپؐ کی تعریف و توصیف اسی طرح موجود ہے۔ حضورﷺ کا کوئی کپڑا ہو تو میں سونگھنا چاہتا ہوں۔ فرمایا ہاں، سلمانؓ! جاؤ فاطمہؓ سے کہو کہ اپنے ابّا کا یعنی رسولﷺ کا جبّہ ذرا بھیج دو۔ سلمانؓ دروازے پر آئے اور آواز دی۔ اے فخر الانبیاء کے دروازے! اے زین الاولیاء کے دروازے! اندر حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما رو رہے تھے لہٰذا دروازے کو کھٹکھٹانا پڑا تو حضرت فاطمہؓ کی آواز آئی، یتیموں کا دروازہ کون کھٹکھٹا رہا ہے؟ حضرت سلمانؓ نے اپنا نام بتایا اور حضرت علیؓ کا پیغام دیا۔ وہ روتی ہوئی بولیں، میرے ابّا کا جبّہ کون پہنے گا۔ حضرت سلمانؓ نے سارا قصہ سنایا۔ آپؓ جبّہ نکال لائیں جو سات جگہ سے کھجور کے ریشے کے ساتھ سِلا ہوا تھا۔ حضرت علیؓ نے اسے پکڑ کر سونگھا، پھر دوسرے صحابہ کرامؓ نے، پھر یہودی پکڑ کر سونگھنے لگا اور کہتا تھا، واہ کیسی عمدہ خوشبو ہے۔ پھر قبر شریف پر حاضر ہوا اور آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہنے لگا۔ اے اللہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ تُو واحد ہے، یکتا و یگانہ ہے، کائنات تیری نیاز مند اور تُو بے نیاز ہے اور یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ اس قبر شریف والا تیرا حبیب ہے۔ جو کچھ اس نے فرمایا میں اس سب کی تصدیق کرتا ہوں اور اس پر ایمان لاتا ہوں۔ اے اللہ! اگر میرا اسلام تیری بارگاہ میں قبول ہے تو میری روح بھی قبض کر لے۔ یہ کہہ کر وہیں گر کر جان دیدی۔ حضرت علیؓ نے اسے غسل دیا اور جنّت البقیع میں اسے دفن کروایا۔ رحمة اللہ تعالیٰ و حشرنا فی زمرة الصالحین اٰمین.

☆☆☆☆☆☆☆

اطلاع

آئندہ ماہانہ اجتماع انشاءاللہ! ۲۴ اپریل بروز ہفتہ پشاور میں منعقد ہوگا۔ بیان مغرب کے بعد ہوگا۔ ساتھی اپنا بستر ساتھ لائیں۔

عید کی نماز (قسط۔۴)

(مفتی شوکت صاحب،صوابی)

عید کی نماز مسجد میں بلاعذر پڑھنا بالاتفاق مکروہ ہے:

امام شافعیؒ کے علاوہ جمہور ائمہ اس بات پر بھی متفق ہیں کہ بلا عذر مسجد میں عید کی نماز پڑھنا مکروہ ہے۔مذاہب کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

الحنابلة قالوا........ویکره صلوتها فی المسجد بدون عذر الا لمن بمکة فانهم یصلونها فی المسجد الحرام (الفقه علی المذاهب الاربعه : ص ۳۰۲، ج ۱)

ترجمہ: حضرات حنابلہ کہتے ہیں....اور یہ کہ عید کی نماز بلا عذر مسجد میں پڑھنا مکروہ ہے،البتہ مکہ میں (مسجد حرام کی وجہ سے) مکروہ نہیں ہے۔

المالکیة قالوا......ویکره فعلها فی المسجد من غیر عذرٍ الا بمکة فالافضل فعلها بالمسجدالحرام لشرف البقعة و مشاهدات البیت.

(الفقه علی المذاهب الاربعه : ص ۳۰۲، ج ۱)

ترجمہ : حضرات مالکیہ فرماتے ہیں۔۔۔کہ مکہ (میں مسجد حرام) کے علاوہ دیگر مساجد میں بلاعذر عید کی نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

احناف : حضرت مولانا مفتی کفایت اللہؒ تحریر فرماتے ہیں:

اور شہر میں بلاعذر عید کی نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ (کفایت المفتی ص۲۹۳، ج۳)

اس کے علاوہ عبدالرحمٰن الجزیریؒ تحریر فرماتے ہیں:

الحنفیة...لم یستثنوا مسجد مکة من المساجد التی یکره فعلها فیها ، و افقوا الحنابلة و المالکیة فیما عدا ذالک. (الفقه علی المذاهب الاربعه : ص ۳۰۲، ج ۱)

ترجمہ: (عید کے احکام میں) احناف مکہ کے استثناء کے علاوہ باقی تمام امور میں حنابلہ اور مالکیہ کیساتھ موافق ہیں۔

مسلک احناف کی مزید تفصیل انشاءاللہ آگے آرہی ہے۔

لیکن

اگر موجودہ زمانے کے حساب سے ایک ایک محلے میں تین تین جماعتوں کو مدنظر رکھا جائے تو پھر اس صورت میں امام شافعیؒ کے نزدیک بھی مساجد میں نماز عید پڑھنا مکروہ اور عید گاہ (یعنی باہر میدان) کیلئے خروج سنت بن جائے گی۔ حضرات شوافع کا مسلک ذکر کرتے ہوئے عبدالرحمٰن الجزیریؒ تحریر فرماتے ہیں:

الشافعية : قالوا فعلها بالمسجد افضل لشرفه الا لعذر كضيقه ،فيكره فيه للزحام و حينئذٍ يسن الخروج للصحراء. (الفقه على المذاهب الاربعة : ص ۳۰۲،ج ۱)

ترجمہ: حضرات شوافع فرماتے ہیں کہ مسجد کی شرافت کی وجہ سے مسجد میں نماز عید پڑھنا افضل ہے۔ مگر عذر کی صورت میں ''مثلاً جب مسجد تنگ ہو'' تو لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے مسجد میں پڑھنا مکروہ ہے، اور اسی صورت میں خروج الی الجبانہ (یعنی باہر کھلے میدان میں نکلنا) ہی سنت ہوگا۔

اب اگر ہم اپنی حالت پر غور کرلیں تو اس بات کی سمجھ نہایت آسان ہو جاتی ہے، کہ آج اگر پورے علاقے کے لوگ ایک مسجد میں اکھٹے ہو جائیں، تو کیا وہ سب ایک مسجد میں آجائیں گے؟ ظاہر ہے کہ کسی عام مسجد میں پورا شہر تو بڑی بات ہے ایک گاؤں کے لوگ بھی نہیں آسکتے۔ جب یہ تسلیم ہوا (کہ پورے علاقے کے لوگ کسی بھی مسجد میں نہایت ہجوم کی بنا پر نہیں آسکتے) تو حضرت امام شافعیؒ کا مسلک ابھی دوبارہ پڑھ لیجئے گا۔ ان کے مسلک کے مطابق بھی اب شہر والوں کو حکم یہ ہے،

فيكره فيه للزحام و حينئذٍ يسن الخروج للصحراء

ترجمہ: کہ اب نماز عید کسی مسجد میں پڑھنا مکروہ اور باہر میدان میں نکل کر پڑھنا سنت۔

جمہور کا مسلک:

ائمہ اربعہ میں صرف امام شافعیؒ نے جامع مسجد میں عید کی نماز کو مسنون قرار دیا ہے۔ باقی جمہور کا مسلک یہ ثابت ہوگیا کہ عید کی نماز مساجد کے بجائے صحرا میں پڑھنا افضل ہے۔ ہاں اگر چہ اس کے حکم میں مزید اختلاف پایا جاتا ہے کہ مالکیہ کے نزدیک مستحب ہے، حنابلہ کے نزدیک تو سنت ہے جیسا کہ احناف کے ہاں ہے، مگر انہوں نے ایک شرط ساتھ لگائی ہے کہ عید گاہ (باہر میدان) شہر سے عرفاً دور نہ ہو اور احناف نے مطلقاً صحرا میں پڑھنا مسنون قرار دیا ہے۔ مگر حکم میں ان تمام اختلافات کے باوجود جمہور ائمہ

دو باتوں پر متفق ہیں۔

ایک یہ کہ امام شافعیؒ کے علاوہ سب ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ صحرا میں نماز عید پڑھنا افضل ہے، یعنی افضلیت میں متفق ہیں۔

ہاں مالکیہ اور حنابلہ نے اس سے مکہ مکرمہ مستثنیٰ کیا ہے۔

فقال الجمهور غير الشافعية موضعها فى غير مكة المصلى (الصحراء) خارج البلد على ان يكون قريباًمن البلد عرفاً عند الحنابلة)لا المسجد.

(الفقه الاسلامى المبحث الرابع صلوٰة العيدين ج ۲، ص ۱۳۹۴)

ترجمہ: شوافع کے علاوہ جمہور نے کہا ہے کہ عید کی نماز کیلئے جگہ مکہ کے سوا (دیگر بلاد میں) صحرا ہے نہ کہ مسجد البتہ حنابلہ نے صحراء کا عرفاً (آبادی کیساتھ) قریب ہونا شرط قرار دیا ہے۔

آگے مزید لکھتے ہیں: **ورأى الجمهور انه يندب الصلوٰة فى المصلىٰ فى الصحراء لا فى المسجد...... (الفقه الاسلامى، ج ۲، ص ۱۳۹۴)**

ترجمہ: جمہور کی رائے یہ ہے کہ نماز عید صحرا میں پڑھنا مندوب (جو کہ سب میں درجہ مشترک ہے) ہے، نہ کہ مسجد میں۔

دوسرا یہ کہ امام شافعیؒ کے علاوہ جمہور ائمہ اس بات پر بھی متفق ہیں کہ بلا عذر مسجد میں عید کی نماز پڑھنا مکروہ ہے۔۔۔ مذاہب کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

خلاصہ کلام: یہ کہ مذکورہ بالا تفصیل سے ثابت ہوا کہ جمہور ائمہ کے نزدیک عید کی نماز مساجد کے بجائے صحرا میں پڑھنا افضل ہے، اور بلا عذر صحرا کے بجائے مساجد میں پڑھنا مکروہ ہے۔ لہٰذا ہمارے ہاں یہ رواج کہ ہر محلے میں چھوٹی چھوٹی مساجد میں عید کی نمازیں بلا عذر پڑھائی جاتی ہیں، یہ (بشمول امام شافعیؒ کے) **باتفاق الائمة الاربعة** مکروہ ٹھہرا۔

عند الاحناف مکروہ تحریمی اور گناہ ہے:

نماز عید صحرا میں پڑھنا فقہاء احناف کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے، جو کہ پچھلے صفحات میں ان بزرگوں کی تصریحات اور ان کے فتاویٰ سے واضح طور پر ثابت ہو چکا ہے۔ اور اصول فقہ کا مشہور قاعدہ ہے

کہ سنت کا ترک مکروہ ہوتا ہے، پھر اگر غیر مؤکدہ ہو تو تنزیہی اور اگر مؤکدہ ہو تو تحریمی۔ بہر حال ''سنت مؤکدہ کی مخالفت'' میں تو کوئی شبہ ہی نہیں ہے۔

ذیل میں چند حوالے عرض کر رہے ہیں، جن میں نماز عید کو بلا عذر مسجد پڑھنے والے کو، مکروہ تحریمی کا مرتکب، قابل ملامت اور گناہ گار تک بزرگوں نے فرمایا ہے۔

(۱) **سوال:** نماز عید بباز اریا بمسجد بلا عذر بارش وغیرہ یا بر درخانہ خود خواندن جائز دارند یا نہ بر تقدیر ثانی مکروہ تحریمی یا تنزیہی با دلہ صریح وحوالہ کتب تحریر فرمایند۔

ترجمہ: عید کی نماز بازار یا (محلے کی) مسجد میں بغیر عذر (یعنی بارش وغیرہ) یا اپنے گھر ہی میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ دوسری (یعنی عدم جواز کی) صورت میں مکروہ تحریمی ہوگا یا تنزیہی؟ (ہر صورت میں) صریح دلائل اور حوالہ کتب کے ساتھ جواب تحریر فرماویں۔

الجواب: درمختار میں ہے **والخروج الیها ای الجبانة لصلوة العید سنة وان وسعهم المسجد الجامع هو الصحیح ...الخ وفی شرح المنیة الکبیر الخروج الی المصلی وهی الجبانة سنة وان کان یسعهم الجامع وعلیه عامة المشائخ لما ثبت انه علیه الصلوة والسلام کان یخرج یوم الفطر ویوم الاضحی الی المصلی۔۔۔الخ۔**

(ترجمہ: درمختار میں ہے: اور عید کی نماز کیلئے (شہر سے باہر) کھلے میدان کی طرف نکلنا سنت ہے، اگرچہ جامع مسجد میں سب لوگ سما سکیں، اور یہ (قول) صحیح ہے۔ اور شرح منیہ کبیر میں ہے کہ عید کی نماز کیلئے (شہر سے باہر) کھلے میدان کی طرف نکلنا سنت ہے، اگرچہ جامع مسجد میں سب لوگ سما سکیں، اور اس پر (تمام حنفیہ) مشائخ کا عمل رہا ہے۔ بدلیل اس کے کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دنوں ہمیشہ کیلئے (شہر سے باہر) میدان کی طرف نکلا کرتے تھے۔)

(مفتی صاحب فرماتے ہیں) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ نماز عیدین کیلئے خروج الیٰ المصلیٰ سنت ہے پس بلا عذر اس کو چھوڑنا مکروہ ہے اور شامی میں بحر سے نقل کیا ہے کہ سنت مؤکدہ کا چھوڑنا مکروہ تحریمی ہونا چاہئیے۔ **الحاصل ان السنة ان کانت مؤکدة قویة لا یبعد کون ترکها مکروها**

تحریما وان کانت غیر مؤ کدۃ فتر کھا تنزیھاً الخ. (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۵/۱۹۹)

(ترجمہ: حاصل کلام یہ ہے کہ سنت اگر مؤکدہ ہیں تو اس (سنت مؤکدہ) کا ترک مکروہ تحریمی ہوگا اور اگر (یہ سنت) غیر مؤکدہ ہے تو پھر اس کا ترک مکروہ تنزیہی ہے۔ راقم)

(۲) **سوال** : کیا خروج جبانہ نماز عید کیلئے سنت ہے یا نہیں اور بشرط وجود عیدگاہ تارک اس کا قابل ملامت ہے یا نہیں۔۔۔؟

جواب : ہاں! عید کی نماز کیلئے خروج الی جبانہ سنت قدیمہ متوارثہ ہے عذر صحیح نہ ہو تو اس سنت کا ترک قابل ملامت ہے۔ (کفایت المفتی ص۳۰۴/، ج۳/)

امدادالفتاویٰ :

(۳) **فی الدرمختار والخروج الی الجبانۃ لصلوٰۃ العید سنۃ وان وسعھم المسجد الجامع ھو الصحیح** اور احادیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے بجز ایک بار کے عذر بارش کی وجہ سے مسجد میں ادا فرمائی تھی، ہمیشہ میدان ہی میں تشریف لے جاتے تھے۔ حتیٰ کہ جن پر عذر شرعی سے نماز بھی نہ تھی ان کے لے جانے کا اہتمام فرماتے تھے۔ چنانچہ اس بارے میں بکثرت احادیث وارد ہیں۔ پس جس امر کا حضور ﷺ کو قولاً و فعلاً اہتمام ہو اس کے خلاف کا قولاً و فعلاً اہتمام کرنا صریحاً مخالفت سنت ہے جس کے گناہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں حدیث میں ہے **فمن رغب عن سنتی فلیس منی** ، واللہ اعلم..(امدادالفتاویٰ ج۱،ص۴۱۰)

خلاصہ کلام :

قارئین حضرات مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات بالکل عیاں ہوگئی کہ رسول اللہ ﷺ نے ماسوائے ایک دفعہ بارش کے عذر کی وجہ سے کبھی بھی مسجد کے اندر عید کی نماز ادا نہیں فرمائی بلکہ ہمیشہ یہی طریقہ اختیار کیا ہے کہ عید کی نماز باہر میدان میں پڑھا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام اور مفتیان عظام نے عید کی نماز کا مسنون طریقہ یہی قرار دیا ہے کہ باہر جا کر کھلے میدان میں پڑھی جائے۔ اور پھر اس کو سنت مؤکدہ قرار دیتے ہوئے اس کے تارک کو قابل ملامت اور مکروہ تحریمی کا مرتکب، حتیٰ کہ گناہ گار ٹھہرایا ہے۔

(جاری ہے)

بِسْمِ اللّٰہِ الْرَ حْمٰنِ الْرَ حِیْم٥

یَـا مُـصَوِّرُیَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُوَ لَقَدْ خَلَقْنَاالْاِ نْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍمِّنْ طِیْنٍ٥ثُمَّ جَعَلْنٰہُ نُطْفَۃً فِیْ قَـرَارِمَکِیْنٍ ٥ثُـمَّ خَـلَـقْـنَـا الـنُّـطْـفَۃَعَـلَـقَۃًفَخَلَقْنَاالْعَلَقَۃَمُضْغَۃً فَـخَـلَـقْـنَـاالْـمُـضْـغَۃَعِـظٰماًفَکَسَوْنَاعِظٰمَ لَحْماً ق ثُمَّ اَنْشَئْنٰہُ خَلْقاً اٰخرَفَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَـنُ الْخَالِقِیْنِ٥رَبِّ ھَـبْ لِیْ مِنَ الصَّالِحِیْنِ ٥رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًاوَّ اَنْتَ خَیْرُالْوَارِثِیْن ٥رَبِّ ھَـبْ لِیْ مِنْ لَدُنْکَ ذُرِّیَۃً طَیِّبَۃً ط اِنَّکَ سَـمِیْعُ الدُّعَاءِ ط یَھَبُ لِـمَنْ یَّشَآءُ اِنٰثاوَّیَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرًا ط اِلٰھِی بَحُرْمَتِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ وَ اَھْلِ بَیْتِ الْعِظَّام۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

یَا مُصَوِّرُ یَا مُصَوِّرُ یَا مُصَوِّرُ وَ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَۃٍ مِّنۡ طِیۡنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلۡنٰہُ نُطۡفَۃً فِیۡ قَرَارٍ مَّکِیۡنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقۡنَا النُّطۡفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقۡنَا الۡعَلَقَۃَ مُضۡغَۃً فَخَلَقۡنَا الۡمُضۡغَۃَ عِظٰمًا فَکَسَوۡنَا الۡعِظٰمَ لَحۡمًا ٭ ثُمَّ اَنۡشَاۡنٰہُ خَلۡقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِیۡنَ ۝ رَبِّ ہَبۡ لِیۡ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ۝ رَبِّ لَا تَذَرۡنِیۡ فَرۡدًا وَّ اَنۡتَ خَیۡرُ الۡوٰرِثِیۡنَ ۝ رَبِّ ہَبۡ لِیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ ذُرِّیَّۃً طَیِّبَۃً ۚ اِنَّکَ سَمِیۡعُ الدُّعَآءِ ۚ یَہَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ یَہَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ الذُّکُوۡرَ ۚ اِلٰہِی بِحُرۡمَتِ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمۡ وَ اَھۡلِ بَیۡتِ الۡعِظَّام۔

دارۂ اشرفیہ عزیزیہ کی تربیتی ترتیب

حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی پشاوری رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کی روشنی میں تربیتی ترتیب کو تین درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

درجہ اوّل: تعلیم الاسلام (مفتی کفایت اللہ صاحبؒ) کا چار پانچ مرتبہ مطالعہ تاکہ مسائل ذہن نشین ہو جائیں، جہاں سمجھ نہ آئے خود فیصلہ کرنے کی بجائے علماء سے پوچھنا، استعداد اچھی ہو تو اپنے گھر یا مسجد میں چند ساتھیوں کے ساتھ مل کر اس کو سبقاً سبقاً پڑھنا۔

اُم الامراض، اکابر کا سلوک واحسان، فیضِ شیخ (حضرت مولانا زکریاؒ)

تسہیلِ قصد السبیل، تسہیل المواعظ، اصلاحی نصاب (دس رسالوں کا مجموعہ از حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

درجہ دوم: بہشتی زیور، ملفوظاتِ حکیم الامت (مولانا اشرف علی تھانویؒ)، اُسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحبؒ)، آپ بیتی (حضرت مولانا زکریاؒ)، تذکرۃ الاولیاء (شیخ فریدالدین عطارؒ) اور کیمیائے سعادت (امام غزالیؒ)

درجہ سوم: سلوکِ سلیمانی (حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ) تربیت السالک، التکشف، بوادر نوادر، انفاس عیسیٰ، بصائر حکیم الامت (حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)، احیاء العلوم (امام غزالیؒ)

جھری ذِکر کی احتیاط اور طریقہ

سارے تصوف کے سلاسل کی طرح ہمارے سلسلہ میں بھی ذِکر کو قلب کی اصلاح میں بطور بنیادی ذریعہ شامل کیا گیا ہے۔ سلسلہ کی ترتیب میں چشتیہ صابر یہ جہری طریقہ ذِکر، ضرب کے ساتھ اختیار کیا گیا ہے۔ پہلے درجہ میں صرف سو بار **لا الہ الا اللّٰہ**، سو بار **الا اللّٰہ** اور سو بار **اللّٰہ** کا ذِکر کیا جاتا ہے۔ دوسرے اور تیسرے درجہ میں **لا الہ الا اللّٰہ** دو سو بار، **الا اللّٰہ** چار سو بار **اَللّٰہُ اللّٰہ** چھ سو بار، **اللّٰہ** سو بار کی اجازت دی جاتی ہے۔

کتابوں کا مطالعہ تو ہر کوئی کرسکتا ہے جبکہ جہری ذِکر کی ترتیب کے لیے بیعت، مشورہ اور اس کے طریقہ کو بالمشافہ (آمنے سامنے) سیکھنا ضروری ہے، خود سے کرنے میں ذہنی وجسمانی نقصان کا خطرہ ہوسکتا ہے۔

ایک ناقابلِ انکار حقیقت

انسان خدا تعالیٰ کا انکار کرسکتا ہے، رسول کا انکار کرسکتا ہے آخرت کا انکار کرسکتا ہے لیکن

ایک ایسی حقیقت جس کا انکار نہیں کرسکتا وہ موت ہے۔

؎ جان جانی ہے جا کر رہے گی موت آنی ہے آ کر رہے گی

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ط وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ

ترجمہ: ہر جی کو چکھنی ہے موت اور تم کو قیامت کے دن پورے بدلے ملیں گے۔ پھر جو کوئی دور کیا گیا دوزخ سے اور داخل کیا گیا جنت میں اُس کا کام تو بن گیا۔

؎ پھول بننے کی خوشی میں مسکرائی تھی کلی کیا خبر تھی یہ تغیر موت کا پیغام ہے

اَلْمَوْتُ قَدَحٌ كُلُّ نَفْسٍ شَارِبُوْهَا وَالْقَبْرُ بَابٌ كُلُّ نَفْسٍ دَاخِلُوْهَا

ترجمہ: موت ایک پیالہ ہے جسے ہر نفس نے پینا ہے اور قبر ایک دروازہ ہے جس سے ہر نفس نے داخل ہونا ہے۔

حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اُن کے شیخ حضرت شاہ عبدالعزیز دعا جو دہلوی رحمت اللہ علیہ تہجد سے پہلے یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

شب تاریک، رہ باریک، منزل دور، من تنہا دستم گیر یا اللہ!، دستم گیر یا اللہ!

رات اندھیری، راہ ہے ٹیڑھی، منزل دور اور ہم تنہا پکڑیو ہاتھ یا اللہ!، پکڑیو ہاتھ یا اللہ!

بہرحال جن کی آخرت آباد ہے اُن کے لئے تو بشارت ہے:

اَلْمَوْتُ جِسْرٌ يُّوْصِلُ الْحَبِيْبَ اِلَى الْحَبِيْبِ

ترجمہ: موت ایک پُل ہے جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ ہی شعر پڑھا کرتے تھے:

؎ بلا سے نزع میں تکلیف کیا ہے سکونِ خاطر بھی کم نہیں ہے
کسی سے ملنے کی ہیں اُمیدیں کسی سے چھٹنے کا غم نہیں ہے

یہ عالم عیش و عشرت کا یہ حالت کیف و مستی کی بلند اپنا تخیل کر یہ سب باتیں ہیں پستی کی
جہاں دراصل ویرانہ ہے گو صورت ہے بستی کی بس اتنی سی حقیقت ہے 'فریبِ خوابِ ہستی' کی

کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہو جائے

ادارۂ اشرفیہ عزیزیہ کی تربیتی سرگرمیاں

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ، جو بندہ کے شیخ حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانی پشاوریؒ اور حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ کے شیخ شاہ عبدالعزیز دعا جو دہلویؒ کی یاد میں قائم ہوا ہے، سالانہ مندرجہ ذیل اصلاحی سرگرمیوں میں مصروف رہتا ہے۔

۱۔ درسِ قرآن: ہفتہ میں چھ دن بعد نمازِ عشاء، مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۲۔ مجلسِ ملفوظات: ہفتہ میں سات دن بوقتِ اشراق، مسجدِ فردوس، پشاور یونیورسٹی۔

۳۔ مجلسِ ذکر: بروزِ اتوار مغرب تا عشاء، مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۴۔ مجلسِ ذکر: بروزِ پیر مغرب تا عشاء، مسجدِ نُور، فیز تھری، حیات آباد، پشاور۔

۵۔ مجلسِ ذکر: بروزِ منگل مغرب تا عشاء، مسجدِ فردوس، پشاور یونیورسٹی۔

۶۔ عورتوں کی مجلس: بروزِ ہفتہ عصر تا مغرب، حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کے گھر، دھوبی گھاٹ، پشاور یونیورسٹی۔

۷۔ جمعہ کا خطبہ: مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۸۔ ماہوار اجتماع: اس کے لئے تاریخ مقرر کی جاتی ہے۔ اجتماع بروزِ ہفتہ مغرب سے شروع ہو کر بوقت چاشت اتوار کو ختم ہوتا ہے۔ مہمانوں کے قیام و طعام کا بندوبست ادارہ کی طرف سے ہوتا ہے۔

۹۔ رمضان: پہلے بیس دن ہر روز مغرب سے پہلے مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی میں مجلسِ ذکر ہوتی ہے۔ مہمانوں کا افطار ادارہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ آخری عشرہ میں تربیتی اعتکاف ہوتا ہے جس میں کثیر تعداد شرکت فرماتی ہے۔

۱۰۔ موسمِ گرما کا اجتماع: موسمِ گرما میں شمالی علاقہ جات میں کسی ٹھنڈے مقام پر سالانہ اجتماع منعقد کیا جاتا ہے۔

(ڈاکٹر فدا محمد مد ظلہٗ)

☆☆☆☆☆☆☆

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

یَا مُصَوِّرُ یَا مُصَوِّرُ یَا مُصَوِّرُ وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ o ثُمَّ جَعَلْنٰہُ نُطْفَۃً فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ o ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَۃَ مُضْغَۃً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَۃَ عِظٰمًا فَکَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ق ثُمَّ اَنْشَئْنٰہُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ o رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ o رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْنَ o رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ ذُرِّیَّۃً طَیِّبَۃً ط اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَاءِ ط یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرَا ط اِلٰھِی بَحُرْمَتِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ وَ اَھْلِ بَیْتِ الْعِظَّام۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

یَا مُصَوِّرُ یَا مُصَوِّرُ یَا مُصَوِّرُ وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ o ثُمَّ جَعَلْنٰہُ نُطْفَۃً فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ o ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَۃَ مُضْغَۃً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَۃَ عِظٰمًا فَکَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ق ثُمَّ اَنْشَئْنٰہُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ o رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ o رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْنَ o رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ ذُرِّیَّۃً طَیِّبَۃً ط اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَاءِ ط یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرَا ط اِلٰھِی بَحُرْمَتِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ وَ اَھْلِ بَیْتِ الْعِظَّام۔

ادارۂ اشرفیہ عزیزیہ کی تربیتی ترتیب

حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی پشاوری رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کی روشنی میں تربیتی ترتیب کو تین درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

درجہ اوّل: تعلیم الاسلام (مفتی کفایت اللہ صاحبؒ) کا چار پانچ مرتبہ مطالعہ تاکہ مسائل ذہن نشین ہو جائیں، جہاں سمجھ نہ آئے خود فیصلہ کرنے کی بجائے علماء سے پوچھنا، استعداد اچھی ہو تو اپنے گھر یا مسجد میں چند ساتھیوں کے ساتھ مل کر اس کو سبقاً سبقاً پڑھنا۔

اُم الامراض، اکابر کا سلوک واحسان، فیضِ شیخ (حضرت مولانا زکریاؒ)

تسہیلِ قصد السبیل، تسہیل المواعظ، اصلاحی نصاب (دس رسالوں کا مجموعہ از حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

درجہ دوم: بہشتی زیور، ملفوظاتِ حکیم الامت (مولانا اشرف علی تھانویؒ)، اُسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحبؒ)، آپ بیتی (حضرت مولانا زکریاؒ)، تذکرۃ الاولیاء (شیخ فریدالدین عطارؒ) اور کیمیائے سعادت (امام غزالیؒ)

درجہ سوم: سلوکِ سلیمانی (حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ) تربیت السالک، التکشف، بوادر نوادر، انفاس عیسیٰ، بصائر حکیم الامت (حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)، احیاء العلوم (امام غزالیؒ)

جھری ذِکر کی احتیاط اور طریقہ

سارے تصوف کے سلاسل کی طرح ہمارے سلسلہ میں بھی ذِکر کو قلب کی اصلاح میں بطور بنیادی ذریعہ شامل کیا گیا ہے۔ سلسلہ کی ترتیب میں چشتیہ صابریہ جہری طریقہ ذِکر، ضرب کے ساتھ اختیار کیا گیا ہے۔ پہلے درجہ میں صرف سو بار **لا الہ الا اللہ**، سو بار **الا اللہ** اور سو بار **اللہ** کا ذِکر کیا جاتا ہے۔ دوسرے اور تیسرے درجہ میں **لا الہ الا اللہ** دو سو بار، **الا اللہ** چار سو بار **اللہُ اللہ** چھ سو بار، **اللہ** سو بار کی اجازت دی جاتی ہے۔

کتابوں کا مطالعہ تو ہر کوئی کر سکتا ہے جبکہ جہری ذِکر کی ترتیب کے لیے بیعت، مشورہ اور اس کے طریقہ کو بالمشافہ (آمنے سامنے) سیکھنا ضروری ہے، خود سے کرنے میں ذہنی و جسمانی نقصان کا خطرہ ہوسکتا ہے۔

ایک ناقابلِ انکار حقیقت

انسان خدا تعالیٰ کا انکار کرسکتا ہے، رسول کا انکار کرسکتا ہے آخرت کا انکار کرسکتا ہے لیکن ایک ایسی حقیقت جس کا انکار نہیں کرسکتا وہ موت ہے۔

؎ جان جانی ہے جا کر رہے گی　　موت آنی ہے آ کر رہے گی

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ط وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْفَازَ

ترجمہ: ہر جی کو چکھنی ہے موت اور تم کو قیامت کے دن پورے بدلے ملیں گے۔ پھر جو کوئی دور کیا گیا دوزخ سے اور داخل کیا گیا جنت میں اُس کا کام تو بن گیا۔

؎ پھول بننے کی خوشی میں مسکرائی تھی کلی　　کیا خبر تھی یہ تغیر موت کا پیغام ہے

اَلْمَوْتُ قَدْحٌ كُلُّ نَفْسٌ شَارِبُوْهَا　　وَالْقَبْرُبَابٌ كُلُّ نَفْسٌ دَاخِلُوْهَا

ترجمہ: موت ایک پیالہ ہے جسے ہر نفس نے پینا ہے اور قبر ایک دروازہ ہے جس سے ہر نفس نے داخل ہونا ہے۔

حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اُن کے شیخ حضرت شاہ عبدالعزیز دعاجو دہلوی رحمت اللہ علیہ تہجد سے پہلے یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

شب تاریک، رہ باریک، منزل دور، من تنہا　　دستم گیر یا اللہ!، دستم گیر یا اللہ!

رات اندھیری، راہ ہے ٹیڑھی، منزل دور اور ہم تنہا　　پکڑیو ہاتھ یا اللہ!، پکڑیو ہاتھ یا اللہ!

بہرحال جن کی آخرت آباد ہے اُن کے لئے تو بشارت ہے:

اَلْمَوْتُ جَسْرٌيُّوْصَلُ الْحَبِيْبَ اِلَى الْحَبِيْب

ترجمہ: موت ایک پُل ہے جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ ہی شعر پڑھا کرتے تھے:

؎ بلا سے نزع میں تکلیف کیا ہے سکونِ خاطر بھی کم نہیں ہے

کسی سے ملنے کی ہیں اُمیدیں کسی سے چھٹنے کا غم نہیں ہے

یہ عالم عیش وعشرت کا یہ حالت کیف ومستی کی بلند اپنا تخیل کر یہ سب باتیں ہیں پستی کی

جہاں دراصل ویرانہ ہے گو صورت ہے بستی کی بس اتنی سی حقیقت ہے 'فریبِ خوابِ ہستی' کی

کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہو جائے

ادارۂ اشرفیہ عزیزیہ کی تربیتی سرگرمیاں

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ، جو بندہ کے شیخ حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانی پشاوریؒ اور حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ کے شیخ شاہ عبدالعزیز دعا جو دہلویؒ کی یاد میں قائم ہوا ہے، سالانہ مندرجہ ذیل اصلاحی سرگرمیوں میں مصروف رہتا ہے۔

۱۔ درسِ قرآن: ہفتہ میں چھ دن بعد نماز عشاء، مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۲۔ مجلسِ ملفوظات: ہفتہ میں سات دن بوقتِ اشراق، مسجدِ فردوس، پشاور یونیورسٹی۔

۳۔ مجلسِ ذکر: بروزِ اتوار مغرب تا عشاء، مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۴۔ مجلسِ ذکر: بروزِ پیر مغرب تا عشاء، مسجدِ نُور، فیز تھری، حیات آباد، پشاور۔

۵۔ مجلسِ ذکر: بروزِ منگل مغرب تا عشاء، مسجدِ فردوس، پشاور یونیورسٹی۔

۶۔ عورتوں کی مجلس: بروزِ ہفتہ عصر تا مغرب، حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کے گھر، دھوبی گھاٹ، پشاور یونیورسٹی۔

۷۔ جمعہ کا خطبہ: مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۸۔ ماہوار اجتماع: اس کے لئے تاریخ مقرر کی جاتی ہے۔ اجتماع بروزِ ہفتہ مغرب سے شروع ہو کر بوقت چاشت اتوار کو ختم ہوتا ہے۔ مہمانوں کے قیام وطعام کا بندوبست ادارہ کی طرف سے ہوتا ہے۔

۹۔ رمضان: پہلے بیس دن ہر روز مغرب سے پہلے مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی میں مجلسِ ذکر ہوتی ہے۔ مہمانوں کا افطار ادارہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ آخری عشرہ میں تربیتی اعتکاف ہوتا ہے جس میں کثیر تعداد شرکت فرماتی ہے۔

۱۰۔ موسمِ گرما کا اجتماع: موسمِ گرما میں شمالی علاقہ جات میں کسی ٹھنڈے مقام پر سالانہ

اجتماع منعقد کیا جاتا ہے۔

(ڈاکٹر فدا محمد مد ظلۂ)

☆☆☆☆☆☆☆